سیمنتنی اُپدیش
تانیثی ادب کی ایک زرّیں دستاویز
میرظہیر عباس روستمانی
مصنفہ: ایک گمنام ہندو عورت
تحقیق وتدوین
ڈاکٹر دھرم ویر (سابق: آئی اے ایس)
مترجم
نورالاسلام

سیمنتنی اُپدیش

تانیثی ادب کی ایک زرّیں دستاویز

مترجم: نورالاسلام

سیمنتنی اُپدیش

تانیثی ادب کی ایک زرّیں دستاویز

مصنفہ: ایک گمنام ہندو عورت

تحقیق وتدوین

ڈاکٹر دھرم ویر (سابق: آئی اے ایس)

مترجم

نورالاسلام

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

SEEMANTINI UPDESH

(Tanisi Adab Ki Ek Zarrin Dastavez)

(Revised Edition)

Research & Edited by

Dr. Dharamveer

Translated by

Noor-ul-Islam

E-mail: nikazmi.islam@gmail.com

Year of Edition 2019

ISBN 978-93-86624-50-5

₹ 100/-

نام کتاب : سیمنتنی اُپدیش

مصنفہ : ایک گمنام ہندو عورت

تحقیق وتدوین : ڈاکٹر دھرم ویر

مترجم : نورالاسلام

سرورق : مریم تسلیم کیانی کے فیس بک پیج 'رنگ و ادب' سے بشکریہ مستعار۔

سنہ اشاعت : ۲۰۱۹ء

قیمت : ۱۰۰ روپے

مطبع : روشان پرنٹرس، دہلی۔۶

Published by

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE

H.o. D1/16, Ansari Road, Darya Ganj, New Delhi-110002 (INDIA)

B.o. 3191,Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6 (INDIA)

Ph: 45678285, 45678286, 23216162, 23214465, Fax : 0091-11-23211540

E-mail: info@ephbooks.com,ephindia@gmail.com

website: www.ephbooks.com

انتساب

سید محمد علی کاظمی

کے نام

جن کے علم و تدبر اور انسان دوستی پر ہمیں فخر ہے۔

اتنا بولو گی تو کیا سوچیں گے لوگ
رسم یہاں کی یہ ہے لڑکی سی لے ہونٹ

عشرت آفریں

فہرست

- ڈاکٹر دھرم ویر سے سیمنتنی اُپدیش کے متعلق ایک مصاحبہ — رئیس فاطمہ — 09
- اپنی بات آپ کے ساتھ — نورالاسلام — 14

1- حمد ———— 19
2- خدا سے میری فریاد ———— 20
3- آریہ خواتین کی عبادت ———— 21
4- شکر ———— 24
5- التجا ———— 26
6- ہندی عورتوں کی حالت ———— 27
7- زیور کا شوق ———— 28
8- جوتی ———— 43
9- ہندی عورتوں کی پوشاک ———— 44
10- قدیم عورتوں کی حالت سے آج کل کی عورتوں کی نسبت ———— 48
11- عورتوں کے خراب ہونے کے اسباب ———— 50
12- بدمعاشوں کی حالت ———— 51
13- مصیبتیں ———— 56

14- جواب ایک عورت کا ---------- 58
15- اے نیک بخت ہندوستانیو! ---------- 60
16- بیوہ کی دوسری شادی ---------- 63
17- ایک بیوہ کا نہایت دردناک حال ---------- 68
18- مرد کی ہر روز کی مار کھانے سے رانڈ رہنا اچھا ہے ---------- 72
19- آج کل کی عورتوں کی گذران ---------- 74
20- رانڈوں پر ستم ---------- 78
21- اولاد کی خواہش ---------- 90
22- پتی ورتا دھرم (شوہر کی پرستش) ---------- 99
23- کچھ کتھا (کہانی) کا حال لکھا جاتا ہے ---------- 103

رئیس فاطمہ
rayees.fatema05@gmail.com

ڈاکٹر دھرم ویر سے سیمنتنی اُپدیش کے متعلق ایک مصاحبہ

۱۳/ مارچ ۲۰۱۶ء

ڈاکٹر دھرم ویر ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔ قدرت نے انھیں حساس دل واعلیٰ ذہن سے نوازا ہے۔ علم وادب کے شوق اور خدمتِ خلق کے جذبے نے ان کی شخصیت میں ایسی چمک پیدا کی ہے جس سے ہندی ادب اور ہندوستانی سماج دونوں روشنی حاصل کرر ہے ہیں۔

ڈاکٹر دھرم ویر ۱۰ نومبر ۱۹۴۶ / ۹ دسمبر ۱۹۵۰ (Official/Real) کو پیدا ہوئے۔ علم کے شوق کی بنا پر انھوں نے ایم۔فل، پی۔ایچ۔ڈی اور ڈی۔لٹ کا اعزاز حاصل کیا۔ ۱۹۸۰ میں آئی اے ایس کا امتحان پاس کر کے ملک کی خدمت پہ مامور ہو گئے۔ ۲۰۰۹ خرابیٔ صحت کے باعث وی آر ایس لیا اور آج کل ادبی سرگرمیوں میں مصروف ہیں*۔

ہندی میں آپ کی متعدد تصانیف ہیں جنھیں ادبی حلقے میں مقبولیت حاصل ہے۔ کبیر کے آلو چک، سنت رائے داس کا نروان، بالک امبیڈکر، ڈاکٹر امبیڈکر اور دلت آندولن، سیمنتنی اُپدیش (تحقیق و تدوین)، ہندی کی آتما، پریم چند سامنت کا منشی، دلت چنتن کا وکاس، ابھیشپت چنتن سے اتہاس چنتن کی اور، وغیرہ کتابیں اہم ہیں۔ ڈاکٹر دھرم ویر نے ہندی میں ناول اور کہانیوں کے علاوہ نظمیں بھی کہی ہیں۔ ان کا ناول ''پہلا خط'' اور کہانی ''بالک'' اہم ہیں۔ ان کی کہی ہوئی نظمیں بھی ہندی ادب میں منفرد حیثیت کی حامل ہیں۔

* ڈاکٹر دھرم ویر کا انتقال اس کتاب کی اشاعت سے قبل ۹/ مارچ/ ۲۰۱۷ کو ہو گیا۔

رئیس فاطمہ: دھرم ویر صاحب کچھ اس کتاب اور مصنفہ کے متعلق اظہار خیال کیجیے؟

ڈاکٹر دھرم ویر: ۱۸۸۲ء میں شائع ہوئی یہ کتاب مجھے میرٹھ کی ایک پرانی کتابوں کی دکان سے دستیاب ہوئی، یا یوں کہہ لیجیے ردّی میں ملی۔ اس کتاب کے مواد اور مصنفہ کی فکر نے مجھے اسے مرتب کرنے پر مجبور کردیا۔ آخر مزید تحقیق وتدوین کے بعد ۱۹۸۸ء میں یہ وانی پبلیکشن کے تعاون سے منظرِ عام پر آئی۔ اس کتاب نے مجھے ادبی حلقے میں پہچان دی۔

بد قسمتی سے اس کتاب کی مصنفہ کا نام بہت کوششوں کے باوجود ابھی تک معلوم نہیں کیا جاسکا۔ لیکن کتاب کے مطالعے سے اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک امیر ہندو گھرانے کی عورت تھی۔ کیونکہ اس کتاب میں ہندو عورتوں کی روداد ہے بالخصوص بیوہ عورتوں کی۔ زماں و مکاں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنفہ پنجاب یا نواحِ پنجاب کے علاقے میں پلی بڑھی تھی۔ نوعمری میں ہی بیوہ ہوگئی تھی۔ کوئی اولاد نہ تھی۔ جس طرح مصنفہ نے اس کتاب میں اسمرتیوں اور دھرم شاستروں کا حوالہ دیا ہے اس کے عالمہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

اس نے تمام ہندو عورتوں خاص کر بیواؤں کی تکالیف کا حال کہہ دیا ہے۔ اس عہد میں ایک بیوہ کی کیا درگت ہوتی تھی اس کا اندازہ میرابائی کے ان الفاظ سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔

پیا بن سونو ہے مہارو دیس!
ایسا ہے کوئی پیو کوں ملاوے، تن من کروں سب پیش!
تیرے کارن بن بن ڈولوں کر جوگن کو بھیس!

رئیس فاطمہ: اس کتاب کے عنوان کے بارے میں کچھ بتائیں؟

ڈاکٹر دھرم ویر: سیمنتنی اپدیش کا عنوان کتاب کے مواد اور لب و لہجے کے

مطابق منتخب کیا گیا ہے۔ سیمنتنی سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کے معنی عورت (ہندو عورت) کے ہیں۔ چونکہ اس کتاب میں مصنفہ کا لہجہ خطابانہ ہے، اس لیے اس کتاب کا عنوان ''سیمنتنی اُپدیش'' رکھا گیا ہے جو موزوں بھی ہے۔

رئیس فاطمہ: اس کتاب کے مواد سے مرعوب ہو کر آپ نے اسے مرتب کیا۔ ایسا کیا خاص ہے اس کتاب میں؟

ڈاکٹر دھرم ویر: قاری کے سامنے جب پوری کتاب ہو تب اس کے مواد کے بارے میں گفتگو کرنا بے معنی سا لگتا ہے۔ لیکن جب آپ نے دریافت کر ہی لیا ہے تو میں چند جملوں میں اپنی بات پوری کرتا ہوں۔ اس کتاب میں مصنفہ نے عورت اور مذہب پر مرد کی اجارہ داری، معاشرے میں پھیلی تمام طرح کی بداخلاقیوں و فرسودہ روایات کے خلاف آواز بلند کی ہے۔ ایک جگہ بیوہ کو صلاح دیتے ہوئے لکھتی ہیں:

''تمہاری بہتری کی یہی تجویز اچھی ہے کہ جب دل ضبطِ نفس نہ کر پائے تو دوسری شادی کر لو''

مصنفہ کی خاص بات یہ ہے کہ اس نے اپنے عہد کی خواتین کے بارے میں گہرا اور پختہ مطالعہ کیا ہے۔ وہ عورتوں کی پریشانیوں کو لے کر اتنی حساس ہے کہ اس پر شدت پسندی کا الزام عائد کیا جا سکتا ہے۔ اسے خواتین کے دکھوں کے سوا اس دنیا میں کچھ نہیں دکھائی دیتا ہے۔ میرے نزدیک صرف سوچ کا فرق ہے۔ اس بات کے لیے اس کی تعریف بھی کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے مقصد کے سامنے کسی لگاؤ میں نہیں آتی۔ یہ کتاب ہمارے ملک ہندوستان میں آج کی بیٹیوں کے لیے رقعۂ آزادی کے مترادف ہے۔

حق تو یہ ہے کہ یہ کتاب بھارت میں خواتین کی اختیار کاری کا ایک بہترین صحیفہ ہے۔ اس کو پڑھ کر لوگوں کو یہ احساس ہوگا کہ ہندوستان میں اس موضوع پر اتنی پرانی کتاب ملنا حقوقِ نسواں کے لیے ایک تیوہار کی سی بات ہے۔ ۱۸۸۲ء میں لکھی گئی یہ کتاب آج بھی ہمارے معاشرے کی صورتِ حال کی ہو بہ ہو عکاسی کرتی ہے۔ اسے

''ہندستانی تانیثی ادب کی زرّیں دستاویز'' کہنے میں مجھے کوئی تامل نہیں ہے۔

رئیس فاطمہ: اس کتاب کی زبان کے تعلق سے آپ کچھ کہنا چاہیں گے؟

ڈاکٹر دھرم ویر: دراصل مصنفہ نے یہ کتاب کسی خاص مقصد کے تحت لکھی تھی۔ وہ اپنے خیالات کے ذریعہ معاشرے میں انقلاب لانا چاہتی تھی۔ اس لیے اس نے اس وقت کی عوامی زبان یعنی ہندوستانی زبان کا انتخاب کیا ہے۔ اس کتاب کا رسم الخط دیوناگری ہے۔ لیکن یہ فارسی میں بھی ضرور شائع ہوئی ہوگی کیونکہ اس کتاب کے آخر میں یہ لکھا ہے کہ بنیادی مسودے کے رسم الخط کو لدھیانہ کے کسی رشی رام نام کے گوڑھ برہمن نے دیوناگری میں کیا ہے۔ یہاں یہ بھی خیال رہے کہ رسم الخط کی تبدیلی میں پہلے کے رسم الخط کا کچھ اثر بعد کے رسم الخط میں بھی آجاتا ہے۔ اس کتاب کے حواشی میں بھی دیوناگری اور فارسی رسم الخط کا تقابل کیا گیا ہے۔

اس کتاب کو نقل کرتے وقت مصنفہ زبان کے جھگڑوں سے بالاتر رہی ہے۔ یہ کتاب شمالی ہند کی ان تمام عورتوں کو خیال میں رکھ کر لکھی گئی ہے، جو مستقبل میں تعلیم یافتہ ہوتی جائیں گی۔ اس کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کی ہندوستانی زبان کا سچا خدوخال کیا تھا۔

رئیس فاطمہ: آپ سائنس کے طالب علم رہے ہیں اس کے باوجود ہندی ادب میں اتنا بڑا تعاون کیسے کرلیا؟

ڈاکٹر دھرم ویر: (مسکراتے ہوئے) شوق اور جنون ہو تو اس دنیا میں کچھ بھی حاصل کرنا ممکن ہے۔ ویسے میری زندگی میں کچھ ایسے موڑ آئے جس کی وجہ سے میں آج بحیثیت ایک مصنف دنیا کے سامنے ہوں۔ ہوا یوں کہ جب میں بارہویں کلاس میں تھا تقریباً ۱۹۶۶ء کی بات ہے ایک ٹرین ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا، جس میں، میں نے اپنا دایاں پیر کھودیا اور مہینوں بستر پہ پڑا رہا۔ اسی دوران میں نے ہندوستانی فلسفے کا معروضی مطالعہ کیا اور ۱۹۷۱ء میں اس دور کے ایک صوفی شاعر علامہ انور صابری کی صحبت اختیار کیا، جس نے میرے علم وفن میں چار چاند لگا دیے۔ میری شخصیت سازی میں علّامہ کا

بہت بڑا تعاون رہا۔ انھوں نے میرے لیے ایک شعر کہا تھا جس پر کھرا اترنے کی میں ہمیشہ کوشش کرتا رہا اور کرتا رہوں گا۔ وہ شعر اس طرح سے ہے۔

عنوانِ محبت کی تصویر ہوں میں
مجھے جانتے ہو دھرم ویر ہوں میں

علامہ کی ہی وجہ سے مجھے ہندوستانی زبان سے عشق ہو گیا۔ میں نے نہ کبھی سنسکرت زدہ ہندی کو پسند کیا نہ ہی فارسی زدہ اردو کو، مجھے تو ''دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے......'' والی زبان پسند ہے۔

رئیس فاطمہ: ڈاکٹر صاحب میں بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ نے اپنے قیمتی وقت سے ہمیں کچھ لمحہ دیا۔

ڈاکٹر دھرم ویر: شکریہ آپ کا بھی۔

نور الاسلام

اپنی بات آپ کے ساتھ

ایک سال قبل مجھے یہ کتاب ہندی زبان میں وانی پبلیکیشن سے دستیاب ہوئی۔اس کتاب کے مواد اور مصنفہ کے اندازِ بیان نے مجھے اسے کئی بار پڑھنے پر مجبور کر دیا۔اس کتاب کو پڑھتے وقت مجھے سب سے زیادہ حیرت اس بات پر ہوئی کہ تانیثی ادب میں جو بحث آج جاری ہے اس کی ایک مضبوط بنیاد اس کتاب کی مصنفہ نے ۱۸۸۲ء میں ہی رکھ دی تھی۔اس سے پہلے دنیا کے کسی بھی نثری ادب میں حقوق نسواں کی بازیافت کے لیے ایسا احتجاج دیکھنے کو نہیں ملتا۔

سیمنتی اپدیش کی مصنفہ نے رائج الوقت کی ان تمام غیر اخلاقی رسم و رواج اور مذہبی جکڑ بندیوں سے انحراف کیا ہے۔جس نے عورت کے تشخص کو پامال کر کے رکھ دیا تھا۔زنا اور بدکاری کو مصنفہ نے کئی برائیوں کی جڑ مانا ہے۔اس نے عورتوں کے سیاسی سماجی مسائل کا بہت گہرائی سے مطالعہ کیا ہے۔اور بغیر کسی ذاتی مفاد کے اپنی آواز بلند کی ہے۔مندرجہ ذیل اقتباس سے اس کے حساس دل کی گہرائی کا پتہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

”ہے پرمیشور! ہماری فریاد کو سن، ہم مظلوموں کی فریاد پر کسی نے دھیان نہیں دیا۔....ہم نے خوب غور سے اس دنیا میں دیکھ لیا، مگر سوا تیرے ہماری بے کسی، بے قدری، بے عزتی کی فریاد کو سننے والا کوئی نظر نہ آیا۔تو غور سے ہماری فریاد کو سن! مدت سے ہندیوں کے دماغ میں جہالت کی آندھی چل رہی ہے۔اس سے ظلم کی گرد اُڑ اُڑ کر ہمارے اوپر پڑتی ہے۔جیسے کوئی مکان بہت دیر گرد پڑنے سے دب جاتا ہے اسی موافق ہماری حالت ہے۔ہم نکلنے کی طاقت نہیں رکھتیں ہیں۔جیسے گنّے کا رس نکال لینے سے

چھلکارہ جاتا ہے ویسی ہی ہماری حالت ہے۔"

اس کتاب پر ضرورت سے زیادہ اظہارِ خیال کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ اس کتاب کی ہر ایک سطر نشتر کی مانند ہے جو دل سے نکلتی ہے اور دلوں کو متاثر کرتی ہے۔

اس کتاب کے سلسلے میں ایک بات اور کہنی تھی وہ یہ کہ، یہ کتاب نہ صرف اپنے مواد کو لے کر اہم ہے بلکہ اس کتاب کی اپنی ایک لسانی اور تاریخی اہمیت بھی ہے۔ یہ اپنے عہد کی ہندوستانی زبان، علاقائی بولی اور ہندو تہذیب کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ کرتے وقت تہذیب و ثقافت کا خاص خیال رکھا گیا ہے ہندی کے ایسے الفاظ جن کا ہندو تہذیب و ثقافت سے کوئی سروکار نہیں ہے انہیں قرأت کی سہولت کے مطابق بدل دیا گیا ہے مثلاً نِندا (مذمت)، کام (شہوت)، وِواہ (شادی)، وِدھوا (بیوہ) وغیرہ۔

آخر میں، میں ان تمام حوصلہ افزائی و رہنمائی کرنے والوں بالخصوص اپنی فیملی، اساتذہ اور دوستوں کا رسماً شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جن کی وجہ سے یہ کام آپ تک پہنچا۔ ویسے میں ان کی شفقتوں و محبتوں کا تاعمر مقروض رہوں گا۔

چند ایسے نام جن کا یہاں ذکر کرنا میرے لئے باعثِ مسرت ہوگا کیونکہ انھوں نے اس کتاب کو پائے تکمیل تک پہنچانے میں میرا قدم قدم پر ساتھ دیا ہے۔ پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی، ڈاکٹر ناصرہ سلطانہ، رئیس فاطمہ، ڈاکٹر انیتھیا، ہردئے بھانو پرتاپ، قمر جہاں، یوسف رامپوری، ڈاکٹر وی پی سنگھ (آرتھوسر جن) اور ارون مہیشوری (مدیر وانی پبلیکیشن)۔

نمبر1

حمد

اس دنیا میں دو دن گذارا ہے اب
نہیں یہاں کسی کا اجارہ ہے اب
ترے تک عقل کو رسائی نہیں
اسی جاپہ انسان ہارا ہے اب
جو دنیا میں آویں تری یاد میں
جو دنیا سے جاویں تری یادمیں
نہ نکلے زباں سے کوئی اور بات
ہرایک حرف نکلے جودنیا سے جاویں تری یاد میں
نہ بھولے سے آوے کسی کا خیال
جو ہو دل میں خواہش تری یاد میں
نہ بھولوں کبھی تجھ کو دنیا میں میں
ہر ایک دم جو گذرے تری یاد میں
نہ ہرگز ہو مجھ سے کوئی فعلِ بد
ہوں سب کام میرے تری یاد میں
اب ہے دل کی یہ آرزو، اے خدا
میری جان جاوے تری یاد میں

نمبر2

خدا سے میری فریاد

دنیا میں ہم دکھی ہیں ہماری خبر تو لے
دکھ درد سے چھڑا ہمیں اک بار خبر تو لے
دنیا میں کوئی ہمدم نہ ہم کو پڑا نظر
تیرے سوا کوئی نہیں دلدار خبر تو لے
تجھ بن کوئی نہیں ہے دنیا میں مددگار
اے جانِ جہاں ہمدم و غمخوار خبر لے
اب در پہ تیرے آپڑے دنیا کو چھوڑ ہم
تیرے سوانہیں کوئی دربار خبر لے
اب سہتے سہتے ظلم کے حالت ہوئی ہے یہ
زباں میں نہیں طاقتِ گفتار خبر لے
سِرِیاچرِتر[1] سن کے شعلہ بھڑک اٹھا
اس بات سے ہوں بہت شرم سار خبر لے
اس قید میں ہم زندگی کاٹیں گے کب تلک
رہبر کوئی نہیں، اے رب تو خبر لے
مکر و فریب مردوں نے ستایا ہمیں بہت
تو بن کے دشمنوں کا خوں خوار خبر لے
حالت ہے درد ناک ذرا غور سے سنو
برس ہو چکے اس حالت میں دس ہزار خبر لے

1۔ بدچلن

نمبر3

آریہ خواتین کی عبادت

ہے پرمیشور! ہماری فریاد کو سن ۔ہم مظلوموں کی فریاد پر کسی نے غور نہیں کیا۔ہم نے اس ہندوستان میں چاروں طرف پکار پکار اور رو رو کے ہر ایک کے سامنے فریاد کی، لیکن کسی نے ہمارے واویلا پر کان نہیں دھرے، نہ پلک اٹھا کے دیکھا۔ہم نے خوب غور سے اس دنیا میں دیکھ لیا۔مگر سوا تیرے ہماری بے کسی، بے بسی، بے قدری، بے عزتی کی فریاد کو سننے والا کوئی نظر نہ آیا۔تو غور سے ہماری فریاد سن۔مدت سے ہندیوں کے دماغ میں جہالت کی اندھیری چل رہی ہے۔اس سے ظلم کی گرد اڑ اڑ کر ہمارے اوپر پڑتی ہے۔جیسے کوئی مکان بہت دیر تک گرد پڑنے سے دب جاتا ہے اسی موافق ہماری حالت ہے۔ہم نکلنے کی طاقت نہیں رکھتی ہیں۔جیسے گنے کا رس نکال لینے پر چھلکا رہ جاتا ہے ویسے ہی ہماری حالت ہے۔

اے دلوں کا حال جاننے والے! ہمارے گناہوں کو معاف کر، کیوں کہ ہم بغیر جانے گناہ پر گناہ کرتی ہیں۔اب معاف کر کے ہمیں بھی وہ طاقت دے جس سے ہم اس جہالت اور ظلم کی تاریکی سے نکل کے دنیا کا کچھ تماشا دیکھیں۔

اے مالک! ہمیں کب اس جیل خانے سے نکال کر آزاد کرے گا؟ ہے پربھو! ہم کو کس گناہ کی سزا میں اس بندی خانے میں پیدا کیا ہے؟ تیرے دربار میں ہمیشہ انصاف ہی ہوتا ہے لیکن ان جنم دکھیوں کے واسطے کیسی بے انصافی ہے۔گناہ کوئی کرے سزا ہمیں ملے۔کاش کہ ہم سے گناہ بھی ہوا ہو تو بھی معاف کردے۔ہم نہیں جانتی ہیں کہ گناہ یا اپرادھ کس کو کہتے ہیں۔بس، اس کی سزا بھی انھیں کو ملنا چاہیے جو ہمیں

گناہوں یا اپرادھوں سے آگاہ نہیں کرتے ہیں۔اے دلوں کے حال کو جاننے والے! ہمارا بھی نام اسی فہرست میں لکھ لے جس میں پاگل، شرابی، بچے اور حیوان، بیوقوف اور جاہل کے ناموں کو لکھا ہے۔ جیسے ان کے گناہ اپرادھ میں نہیں ویسے ہی ہمیں خیال کرنا چاہئے۔

ہم سے وہ اچھے ہیں جو اس دنیا میں زندگی بھر کے لیے قید کیے جاتے ہیں کیونکہ انھوں نے پہلی عمر میں تو دنیا کو دیکھ لیا ہے۔ہم تو ایک دن بلکہ خواب میں بھی یہ خیال نہیں کر سکتیں۔ جو چیز دیکھی نہیں اس کا خیال بھی نہیں ہوسکتا۔بس ہم نہیں جانتے کہ دنیا کیا چیز ہے، جہان کس کو کہتے ہیں، اور اس میں کیا کیا چیزیں ہیں، اور اس کی کیسی شکل ہے۔ جب ہم وجہ کو نہیں دیکھ سکتیں تب نظامِ کائنات چلانے والے کا خیال کیوں کر ہوسکتا ہے؟ خواندہ لوگ تیری صنعت کو دیکھ کے تجھے کچھ پہچانتے ہیں۔ہم جہالت کی تاریکی میں پھنسے ہیں، تجھے کیونکر پہچانیں؟ بس، ہم نہیں جانتیں کہ خدا تو ہی ہے، یا کوئی اور ہے اور تیری کیسی شکل ہے۔کہاں رہتا ہے۔انھیں ہندیوں کی زبانی سنا ہے کہ او پر والا مظلوموں کی دستگیری کرتا ہے۔اگر چہ تو سب ہی کی خبر گیری کرتا ہے۔مگر جس کا اس دنیا میں کوئی نہیں اسکی حفاظت تو ہی کرتا ہے۔بس، ہمارا اب اس دنیا میں کوئی نہیں۔ ہماری بھی تو حفاظت کر کہ ہم سوائے چار دیواری مکان کے اور کچھ نہیں دیکھتیں اور ہم چاہے اسی کو تمام دنیا خیال کریں، چاہے اسی کو ہندوستان سمجھیں۔اسی جیل خانے میں پیدا ہوئی ہیں اور اسی میں مر جائیں گی۔

اے مالکِ جہاں! کیا تو نے ہم کو پیدا نہیں کیا؟ کیا ہمارا پیدا کرنے والا کوئی اور خدا ہے؟ لوگوں نے تیرا نام مرد قرار دیا، اس لیے تو بھی ہندیوں کی طرح بے رحم بن گیا ہے۔اگر تجھ کو ہماری یہی حالت منظور تھی تو ہماری پیدائش کسی اور طرح سے کرتا جس سے ہم کو بھی تسلی ہوتی۔اور مظلوموں کی فریاد تو دنیا کی عدالت میں بھی سنی جاتی ہے، کیا تو نے ہم مظلوموں کے لشکر کو دیکھ کر اپنی عدالت کا دروازہ بند کرلیا ہے؟

ہے پرماتما! اپنے دیا سندھو (رحمان) نام کا خیال کر کے ہم پر دیا کر۔کیا تیرے کرم کا سمندر ہمارے جلے دل کی آہوں سے سوکھ گیا ہے؟ یا ہندیوں کی ظلم کی

آگ سے جلے دل کو جس آب حیات سے تو ٹھنڈا کرتا ہے، کیا وہاں بھی ہمارا حصہ ہندیوں نے چرالیا ہے؟

اے رحم کرنے والے! نکالو ہم کو۔ہم جہالت کے اندھیرے کنویں میں ظالموں کے ہاتھ سے گری یتیم کی مانند پکار رہی ہیں۔ اے خدا! ہماری اس فریاد کو بھی سن بجائے نکالنے کے اور گہرے میں ڈبو دیتے ہیں۔اب ہم میں اس قدر سختیاں اٹھانے کی طاقت نہیں ہے، ہم میں سے کتنوں نے اسی ظلم سے بچنے کو خودکشی کیا ہے اور کر رہی ہیں۔

اے مالک! تجھ سے یہی التجا ہے کہ ہندوستان سے جہالت کا پردہ اٹھا جس سے یہ بھی انسان کو انسان کی نظر سے دیکھیں اور اپنی جنس سے نیک سلوک کریں جس سے ہماری زندگی رائیگاں نہ جائے، ہم بھی کوئی دن آرام سے گذاریں۔

اب ہمیں اس دنیا میں سوا تیرے کسی سے امید نہیں جو اس غموں کے سمندر سے ہمیں پار اتارے۔اب ہم تجھ سے بار بار یہی التجا کرتی ہیں کہ اس بے علمی کے سمندر سے نکال لے۔

نمبر 4

شکر

جو مالک سب کی پرورش کرنے والا ہے اور اس کے کرم کی انتہا تک کوئی نہیں پہنچ سکا، ہماری اتنی عقل نہیں جو اس کی بے شمار مہربانیوں، نعمتوں کا شکر یہ ادا کریں۔ رات دن ظالموں، بزرگوں اور مویشیوں پر ایک جیسا رحم و کرم کرنے والے ایسے مالک کے قدموں میں ہمارا بار بار شکر ہے۔ جب جب ظلم بہت ہوئے تب تب اس نے لوگوں کے دلوں میں علم کی روشنی کر اپنی خلقت کی حفاظت کی اور رشی منیوں، مہاتماؤں کے ذریعہ لوگوں میں سچ کا پیغام دیا۔ ویسے ہی اب بھی اپنے پیارے ہندوستان کو جہالت کے گھور سمندر میں ڈوبا جان، شمعِ علم روشن کرنے کو بہت رشی منیوں کو بھیجا ہے۔ ہزار شکر کہ ان کے پیغامات کے ذریعہ چوتھائی ہندوستان آفتاب کی مانند روشن ہو جائے گا۔ لیکن تھوڑے ہیں ایسے آدمی جنھوں نے ان غم زدوں پر آنکھ اٹھا کر بھی دیکھی ہو۔ تمام ہندوستان میں تلاش کرنے سے شاید سَو پچاس ہی نکلیں گے جو عورتوں کو بھی انسان سمجھتے ہیں۔

یہ پرانا مذہب ہے اور عام قاعدہ بھی ہے کہ جو کسی سماج کو سچا پیغام دیتا ہے یا ان کی طرفداری یا کسی کی حفاظت یا جس کو کسی سے کچھ نفع پہنچتا ہے یا جو اپنے چیلوں کو خوش کرنے کو سچ کو جان کر بھی جھوٹا بیان کرتا ہے لوگ اُسے ولی مانتے ہیں۔ جیسے برہمہ سماج میں راجہ رام موہن رائے کو مانا۔ پرشورام کو برہمنوں نے، برہمنوں کو ہندوستانیوں نے، عیسیٰ کو انگریزوں نے، محمدؐ کو مسلمانوں نے۔ جیسے انھوں نے اپنے فریق کی نجات کی کوشش کی تھی ویسے ہی آج کل بہت دانش مند تردد کرتے ہیں کہ جو مستورات نا کردہ

گناہ کالے پانی کی سزا کے برابر ہوئی ہیں ان کی رہائی کریں۔

تمام ہندوستانی عورتوں کو چاہیے کہ ان کا شکر ادا کریں بلکہ ان کو برائے خود ولی مانے جن کا میں نام لکھتی ہوں۔ ان کو اوپر والے نے ہمارے نجات کا مترادف بنایا ہے:-

۱۔ منشی کنہیالال الکھ دھاری، جس کا ایک لفظ بھی انصاف سے خالی نہیں۔ بہت سی کتابیں اور رسالے لکھے۔ کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں ان قیدنوں کی رہائی کی دلیل نہیں۔

۲۔ پنڈت شیونارائین اگنی ہوتری، ایڈیٹر ''برادر ہند'' جس کا رسالہ اسی کوشش میں نکلتا ہے۔ اس رسالے کا ہر ایک فقرہ عورتوں کو تعلیم کی طرف راغب کرتا ہے۔

۳۔ رائے نوین چند جی، جن کی کوشش سے بہت سی عورتوں نے کچھ علم کا نام جانا ہے اور بہت سی کتابیں ہیں جو انھوں نے عورتوں کے ہی لیے لکھیں ہیں۔

۴۔ سوامی دیانند سرسوتی جن کے پیغامات سے تمام ہندوستان میں علم کا چرچا ہو رہا ہے۔ ہر جگہ آریہ سماج قائم ہوا ہے اور ہم کو امید ہے کہ کسی دن ہمارے مقدمے کا بھی انصاف کریں گے۔

ان لوگوں نے بہت طرح سے ثابت کیا ہے کہ عورتوں کو بھی انسان سمجھنا چاہیے۔ ان کو حیوانیت کے رتبے سے نکال انسانیت کا خطاب دینا چاہیے۔ ہر چند انھوں نے وکالت کا ڈھول انصاف کی لکڑی سے ان کے کانوں پر خوب پیٹا۔ جیسے پتھر میں آواز اثر نہیں کرتی ویسے ہندیوں کے دماغ میں قومی ہمدردی نے ذرا بھی اثر نہیں کیا۔ جیسے کسی زمانے میں برہمہ کے ور سے کمبھ کرن چھے مہینے سوتا ایک دن جاگتا تھا ویسے ہی ہندوستانی برہموں کی تبلیغ سے زندگی سے موت تک اسی غفلت کی نیند میں ہماری طرف سے سوئے پڑے ہیں۔ ان لوگوں کے بہت واویلا کرنے سے ذرا کلبلا اٹھتے ہیں۔ پھر اسی غفلت میں سو جاتے ہیں۔ اگر کہو کہ ہندوستانیوں نے تعلیم میں بہت ترقی کی ہے اور بہت علم حاصل کیا ہے، بیشک مانا۔ پھر ہمیں کیا، ایک کے کھانا کھانے سے دوسرے کا پیٹ نہیں بھرتا ہے۔ ہماری طرف سے تو وہی حالت ہے جو ہزار برس پیشتر تھی۔ ☆☆☆

نمبر 5

التجا

جو آدمی جیل خانے میں پیدا ہوا ہو، یا جس کا باپ دادا اسی میں قدیم زمانے سے رہتا ہو، وہ اسی جیل خانے کو بہشت سمجھتا ہے۔ اگر کوئی اس سے کہے کہ یہ جیل خانہ ہے، یا اس کی برائیاں دکھاوے تو وہ یہ جواب دیتا ہے۔ ''ہمارے باپ دادا اسی میں رہتے آئے ہیں، کیا انھیں عقل نہ تھی؟ ہم کبھی اس کو نہ چھوڑیں گے۔'' ایسوں کے سامنے جب اس جیل خانے کی برائی کی جاوے، تو وہ کب سنتے ہیں؟ سچ ہے، جو بچہ قفس میں ہی پیدا ہو وہ جنگل کی سرسبز تازہ ہوا کی خوبیاں کیا جانے؟ بیشک پہلے جنگل کی ہوا اسے بری معلوم ہوگی مگر جب وہ اس ہوا میں آزاد پھرنے کو اس پنجرے میں بند رہنے سے نسبت دیتا ہے، تب کہتا ہے: ''آہ میں پہلے کس مصیبت میں تھا، اب میں کیسے آرام میں ہوں!'' پھر وہ جب کسی اپنے بھائی کو پنجرے میں بند دیکھتا ہے تب بڑا افسوس کرتا ہے۔ بیشک پہلے ہماری ہندی بہنوں کو برا معلوم ہوگا مگر ذرا غور کو دل میں جگہ دیں گی تب خود معلوم کر لیں گی کہ ہم پر کس قدر مصیبت ہے اور ہم پر کتنا ظلم کیا جاتا ہے۔ ہم کیسے بے جان کی موافق سہارتی ہیں۔ ہم کب سے اس جیل خانے میں بند کی گئی ہیں۔ اب ہم کو خود اس جیل خانے سے نکلنے کی تدبیر کرنی چاہیے۔ بس، میں اپنی تمام ہندی بہنوں سے درخواست کرتی ہوں کہ کوئی لفظ آپکی دل شکنی کا میری زبان سے نکل جاوے تو معاف کریں۔

نمبر 6

ہندی عورتوں کی حالت

اے ہند کی عورتوں اٹھو خوب سو چکیں
دنیا میں عزت آبرو تھی سب تو کھو چکیں
عقل اور تمہاری طاقت ضائع ہوئی تمام
دنیا میں جو نہ ہونا تھا وہ سب تو ہو چکیں
شکل اور تمہاری وضع بگڑی ہے یہاں تلک
تم حبشنوں کے نام سے مشہور ہو چکیں
خودغرض ریاکاروں نے کیا کیا دھرے ہیں نام
دنیا میں بے وقوف اور بے عقل ہو چکیں
عزت تمہاری خاک میں ملی ہے یہاں تلک
تم ہندیاں کے پاوؤں کی پیزار[1] ہو چکیں
ہمدردیاں تمہاری ہرگز نہیں انہیں
ان دشمنوں کی جان کو تم خوب رو چکیں
ظلم و جفا سے ان کے تم کو نہیں خبر
شہوت پرست نام سے بھی خوار ہو چکیں
اب کھول آنکھ اپنی دنیا کو دیکھو تم
لاکھوں تمہاری ہجو میں پستک ہیں چھپ چکیں

۱۔ پیر کی دھول

نمبر 7

زیور کا شوق

زیور کے برابر عورتوں کو دنیا میں کوئی چیز پیاری نہیں۔ باپ، بھائی، خاوند، لڑکا کسی کا اتنا موہ نہیں جتنا زیور کا ہے۔ اکثر چھوٹی عمر میں لڑکیاں زیور کے میسر نہ ہونے سے پتے اور گھاس کا زیور بنا کر پہنا کرتی ہیں۔ لکھنا پڑھنا تو لڑکیوں کو رواج ہی نہیں، نہ کوئی اور کام سکھایا جاتا ہے۔ بس رات دن زیور کی فکر میں رہتی ہیں کب ہماری شادی ہو جو زیور پہننے کو ملے۔ جب شادی ہوتی ہے اگر ان کی خاطر خواہ زیور ملا تو خیر نہیں ہمیشہ سسرال والوں سے ناراز رہتی ہیں۔ زیور کا بھی کچھ شمار نہیں۔ جتنا ملے اس کو تھوڑا ہی جانتی ہیں۔ جیسے ہندوستانی کبھی بدفعلوں سے مطمئین نہیں ہوتے ویسے ہی یہ کبھی زیور سے مطمئین نہیں ہوتیں۔ بس ہر وقت خاوند کو یہ طعنے دیا کرتی ہیں۔ کیا تم نے مجھے نولاکھ کا ہار پہنا دیا ہے؟ بڑی سے بڑی لڑائی پہلے پہل عورت خاوند میں یہاں سے شروع ہوتی ہے اور کئی عورتوں نے اسی زیور کے پیچھے اپنے خاوندوں کو مار دیا ہے۔ ایک مثال عورتوں میں مشہور ہے جس سے ان کے زیور کا شوق ظاہر ہوتا ہے۔

ایک ہندی نے اپنے بیٹے کی بہو سے سل اٹھانے کو کہا۔ بہو نے بھاری سل دیکھ کر اٹھانے سے انکار کیا۔ سسر نے اسی سل کو سونے میں مڑھا کر دھاگے میں پرو کر بہو سے کہا: یہ سونے کی چوکی تمہارے لیے بنوائی ہے۔ بہو نے بڑی خوشی سے پہن لی اور ذرا بھی بوجھ نہ معلوم ہوا۔ اور زیور بھی اکثر انھیں کے نام سے مشہور ہے۔ عورتوں کا وقت اسی میں خرچ ہوتا ہے۔ شادیوں میں جہاں دو چار بیٹھتی ہیں وہاں یہی سننے میں آتا ہے۔ ہمارے پاس یہ نہیں ہمارے پاس وہ نہیں۔ عورتیں خوب زیور پہن کر جاتی

ہیں۔جن کو مانگا بھی نہیں ملتا وہ پیتل،کانسا،رانگا پہنتی ہیں۔اور جن کو یہ بھی نہیں ملتا وے کہیں جاتی ہی نہیں ۔ بہت زیور والی آگے بیٹھتی ہیں اور ان کی عزت بھی بہت کی جاتی ہے۔اس سے کم ان کے پیچھے۔ان سے بھی کم ان کے پیچھے۔جن پر بہت ہی تھوڑا ہوتا ہے وہ سب کے پیچھے کونے میں بیٹھتی ہیں۔

(الف) پہلے درجے کی امیر اشراف عورتوں کی بات چیت

سوال: جی،آپ کی نتھ کی زنجیر بہت خوبصورت ہے کہاں سے بنی ہے؟

جواب: ہاں،میں نے بڑی مشکل سے بنوائی ہے۔

سوال: تمہارے سر کی بندی بہت خوبصورت ہے۔کہاں کی بنی ہے؟ ہم بھی ایسی ہی بنوائیں گے۔

جواب: یہ یوں ہی نہیں بنی ہے۔اس کے پیچھے تو میں نے چار دن تک کھانا نہیں کھایا۔تب بن کے آئی ہے۔

سوال: اجی آپ کا ہار تو بہت ہی عمدہ ہے۔

جواب: یہ ہار تو بڑی تکلیفوں سے بنا ہے۔اس کے پیچھے کئی دفعہ مار کھائی۔مارے مار کے تین دن تک بیمار رہی۔تب اس ہار کی صورت دیکھی۔

سوال: تمہارے کرن پھول(کان کی بالیاں) بہت ہی اچھی بنی ہیں اور ٹھوس بھی خوب ہیں۔شاید کسی ولایتی بوتل کے ڈاٹ کا نمونا ہوگا۔

جواب: واہ جی ، یہ تو بڑے دکھوں سے میسر ہوئے ہیں۔ان کے پیچھے میرے خاوند نے سیکڑوں بری بھلی کہی پر میں نے بنوا لینے کے بعد ہی چین لیا۔

سوال: تمہارے پاؤں کی سنکل(وزنی پازیب،کڑا) کیا ہی خوبصورت ہے۔کہاں سے بنوائی؟

جواب: میرا خاوند کمسیر یٹ (commissariat لاطینی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی فوج کا انتظامیہ گروپ ہوتا ہے) کا گماشتہ ہے۔کسی ہاتھی کے پاؤں

کی سنکل کا نمونہ دیا تھا۔

سوال: اجی آپ کے ہاتھ کے کڑے بہت عمدہ بنے ہیں۔

جواب: ہاں، میرا خاوند جیل خانے کا داروغہ ہے۔ کسی قیدی کے ہاتھ کی ہتھکڑی کا نمونہ دے کر بنوائے ہیں۔

(ب) دوسرے درجے والیوں کی بات چیت

سوال: یہ نتھ کے کلسے تم نے کب بنوائے؟ آگے تو تمہارے پاس نہ تھے۔

جواب: بہن، کیا بتاؤں! ان کے پیچھے تو میں نے کتنی مار کھائی۔ پر میں نے بنوا کے کل لینے دی۔

سوال: یہ دُھک دُھکی (گلے کا ہار) کب بنی؟

جواب: اس کا حال نہ پوچھو۔ ڈیڑھ مہینہ ہوا گھر میں لڑائی پڑے اور اب تک بول چال نہیں۔ تین دن سے میں نے روٹی نہ کھائی اور ان کے پاس خرچ نہ تھا۔ لاچار ہو، پچیس روپے قرض لائے۔ تب یہ دھک دھکی بنی ہے۔

سوال: یہ باجرے کی گھڑت (باجرے کی طرح ہلکے چھلے) کہاں سے مارے؟

جواب: وہ چھلے تو بڑے چھل بل سے بنے ہیں۔ گھر کا خرچ تو تم جانتی ہی ہو کبھی کوڑی نہیں بچتی۔ بلکہ ہر مہینے میں دو چار کا قرضہ رہتا ہے۔ بس میں نے ایک مہینہ تنگی کر، گھی نہ آنے دیا۔ ان گھی کے روپیوں کے یہ چھلے بنوائے۔

(ج) تیسرے درجے والیوں کی بات چیت

سوال: ہے جی، تمہارے سسرال والوں نے کچھ گہنہ نہیں بنایا؟ شاید تمہارا خاوند تمہیں کچھ پیار نہیں کرتا۔ تمہارا خاوند بڑا ہی نالائق ہے۔ کیا ان کو دس بیس روپے قرض بھی نہیں ملتے؟ چاہے بی بی، کپڑا نہ ہو، پر ہاتھ کان کا ڈھکنا تو بہو بیٹی کو ضرور ہی

چاہیے۔خالی کان تو بہت ہی برے لگتے ہیں ۔چار پیسے کی پیتل کی بالیاں ہی منگوا لو۔رہتے (خالی) گلے تو پانی پینا بھی دھرم نہیں۔کالا پیلا ڈورا ہی گلے میں باندھ لو۔

جواب:(نیچا منہ کر کے،آنکھوں میں آنسو بھر کے،ایک آہ کھینچ کر)

رام رام،ہم نے دنیا میں آ کر کیا دیکھا ہے؟ دیکھو، نہ تو تاتا کھایا نہ راتا پہنا۔ ہمیں تو پرمیشور نے دکھ ہی جھیلنے کو پیدا کیا ہے۔اور جب سے ان کمبختوں کے گھر میں بیاہ ہے گئے کبھی گہنے کپڑے میں آگ لگتی نہ دیکھی ۔ میں نے کئی دفعہ کہا کہ ایک دن گھر کا خرچ بند کر و مجھے چار پیسے کی بالیاں منگا دیں ۔ بھلا کہاں اتنا صبر؟ سنتے ہی مجھے ٹکا سا جواب دیا کہ گہنے کپڑے بغیر آدمی جی سکتا ہے روٹی کے بنا نہیں جی سکتا ۔اسی بات پر میں کتنی روئی،اور کئی دن تک روٹی نہ کھائی اور اب تک میرا من کسی سے بات کرنے کو نہیں چاہتا۔ہماری اتنی قسمت کہاں جو گہنے کا منہ دیکھیں! ہم تو جلتے آئے اور جلتے ہی چلے جائیں گی۔ایسے ہی کسی دن دم نکل جائے گا۔ ہمارے نصیبوں میں گہنہ کہاں! میں جب کبھی وِواہ شادیوں میں گئی ہمیشہ گہنے کا ذکر سنا۔

(د) اب زیور کا حال سنیئے

سر پر کئی طرح کے زیور پہنے جاتے ہیں۔زیور دو طرح کا ہوتا ہے: خاص وہ جو امیر غریب عورت کوئی اس سے خالی نہیں رہتی ہے، مثلاً نتھ، بچھوا، کانچ کی چوڑی۔ دوسرا عام زیور جو خاص روپے والی ہی پہنتی ہیں۔مگر خواہش اس کی سب کو رہتی ہے۔

ہندوستان کی کوئی عورت نہ ہوگی جس کی حسرت میں جان نہ جاتی ہوگی۔ چاہے تمام دنیا کا زیور ملے ان کو اس کی ہوس پوری نہیں ہوتی۔

(ھ) پہلے عام زیور کا ذکر جو خوامخواہ مذہب کے طور پر بنتا ہے

پنجاب میں ایک چوک جو سر میں مانند کھونٹے کے گاڑا جاتا ہے۔اس کے ساتھ ایک پراندا یعنی ڈوری (ایک موٹے ریشم کی رسّی جو پاؤں کی ایڑی تک لٹکائی

جاتی ہے۔)وہ سہاگ کی نشانی ہے۔کوئی عورت جس کا خاوند جیتا ہو اس کے بغیر نہیں رہتے۔میں نے کبھی نہیں دیکھا اس سے عورت کو آرام ملتا ہو، بلکہ مارے بوجھ کے گردن پیچھے لٹکتی رہتی ہے،رات کو سونے میں بڑی تکلیف رہتی ہے۔مگر یہ کبھی جدا نہیں کرتیں۔

اب میں آپ سے پوچھتی ہوں کہ تمہارے واسطے خاوند کون سی نشانیاں رکھتے ہیں؟اور مجھے یاد آ گئی:مردوں کو کیا ضرورت ہے جو ان کے لیے تکلیف اٹھاویں،کیوں کہ ایک جورو مرنے پر بہت سی مل سکتی ہیں، بلکہ ان کی زندگی میں ہی۔مگر ان کو خاوند کے مرنے سے دوسرا کہاں۔

افسوس ہے سہاگ کا کھوٹا سر میں گڑا رہے پھر بیوا ہو جاوے۔آپ نے اتنی مضبوطی سے سہاگ سر میں جمایا پھر بھی اکھڑ ہی پڑا۔سہاگ کی دم ایڑی تک لٹکائی پھر بھی کتری ہی گئی۔ چاہے کتنی ہی حفاظت سے رکھو یہ کبھی آپ سے وفا نہ کرے گا۔بس،ان سے سوائے تکلیفوں کے کبھی آرام کی امید نہیں۔

ہندوستانی عورتیں کانچ کی بندی ماتھے پر لگانا سہاگ میں گنتی ہیں۔افسوس ہے ان کی سمجھ پر!کوڑی کی بندی پر سہاگ کو داخل کیا،پھر نہ معلوم کانچ سے بھی زیادہ نازک کیوں ہو گیا؟میرے نزدیک بندی نہ لگانے والی تم سے آرام میں ہیں اور سہاگ بھی ان کا سورج کی طرح کبھی کم زیادہ نہیں ہوتا۔

ناک میں سوراخ کر گول دائرہ بنا زنجیر یعنی نکیل کے ساتھ ناک میں پہننا یہ بھی ہندوستانی عورتوں کی سہاگ کے نشانی ہے۔ جیسے اونٹ کی ناک میں نکیل جتنا چاہتے ہیں بوجھ لادتے ہیں،جدھر چاہتے ہیں لے جاتے ہیں۔بڑے افسوس کی بات ہے-خود اپنے ہاتھ سے اپنی ناک میں سوراخ کر، بہت بوجھ اس پر لادیں۔اگر بوجھ سے ٹوٹ جائے تو ڈاکٹر سے سلواؤ اگر سینے سے نہ جڑے تو دونوں طرف ناک میں زنجیر کے بوجھ کو باندھو۔خوبصورتی درکنار بدصورتی کی کھان بن جاتی ہیں۔

اے نکیل کی پہننے والیو!کیا آئینے میں منھ دیکھ کر شرم نہیں آتی ؟اپنے بدن میں

سوراخ کر، سہاگ کو چھپانا چاہا مگر پھر بھی اس بے وفا سہاگ کا چور ہی ہو گیا۔ اگر آپ کہیں کہ یہ سہاگ کی نشانی ہے تو میں آپ سے پوچھتی ہوں کہ سہاگے مردوں کی بھی کچھ نشانی ہونی چاہیے۔ اگر کہو ہمارے پرکھوں کی رسم ہے، پھر میں پوچھتی ہوں کون سے دھرم شاستر (مذہبی کتاب) میں اس کا پہننا سہاگ میں داخل ہے؟ منوسمرتی جو ہندوؤں کا آدی دھرم شاستر (قدیم مذہبی کتاب) ہے، اس کے کون سے باب میں اس ناک کاٹنے والی کا ذکر ہے؟ اور شادی رسوم کون سے ارکان میں لکھا ہے؟ کسی پنڈت کو بلا کر پوچھ لو کہ کون سی کتاب میں نتھ کا ذکر ہے؟ بس، صاف ظاہر ہو جائے گا کہ یہ رسم پرکھوں کی بنائی نہیں، یہ آپ ہی کی ایجاد ہے۔ بس، چاہئے کہ خوبصورت نشانی رکھو جس سے تمہارا سہاگ بھی تم سے خوش ہو اور اپنا بدن بھی خراب نہ ہو۔

گلے میں کوئی زیور ہو، ضرور رکھنا چاہیے۔ سہاگن کو کبھی خالی گلے نہ رہنا چاہیے۔ جس کے پاس نہ ہووے، ریشم یا سوت کا بنا کر پہنے اور باہوں میں کانچ کی چوڑی پہننا، یہ بھی سہاگ میں ہے۔ کانچ کی چوڑی کہنی تک پہنی جاتی ہے۔ کبھی خالی نہیں رکھتیں۔ پہنتے وقت جب پرانی اتارتی اور نئی پہنتی ہیں، تب ایک چوڑی بانہہ پر دھر لیتی ہیں تا کہ بانہہ چوڑی سے خالی نہ ہو۔ ان کے خیال میں ہے، اگر کانچ کی چوڑی بانہہ میں نہ ہوگی تو خاوند مر جائے گا۔ گویا ہندوستانی مردوں کی زندگی ہی ان سے ہے۔ اگر یہ چوڑی نہ پہنے تو تمام ہندوستان غرق ہو جائے۔ بانہہ ان سے کبھی صفا نہیں رہ سکتی۔ پہنتے وقت بھی دو چار زخم ہو جاتے ہیں۔ گرمیوں کے دن میں لاکھ کی گرمی سے بانہہ پھول جاتی ہیں اور پھوڑے نکل آتے ہیں۔ مگر یہ چوڑیوں کو تب بھی جدا نہیں کرتیں۔ ممکن نہیں کہ اس حالت میں سہاگ تم سے خوش رہتا ہو۔

اب میں تم سے سوال کرتی ہوں کہ جب ہم میں سے کسی کا خاوند مرتا ہے تب چوڑیاں اتاری جاتی ہیں۔ چوڑیوں میں تو سہاگ نہ ہوا۔ چوڑیوں میں سہاگ تب مانا جاتا کہ جب تم چوڑیاں اتارو تبھی خاوند مرتا۔ پنجابی عورتیں چوڑی نہیں پہنتی، کیا ان کے خاوند مر جاتے ہیں؟ انگریزوں میں کوئی ان کو جانتا بھی نہیں، کیا وہ سب رانڈ ہوتی ہیں؟

اگر کوئی کہے: ''بہت چوڑیوں سے بانہہ نہیں ہل سکتی، تھوڑی اتار ڈالو۔'' تو جواب دیتی ہیں: ''ہم اپنے بڑوں کی چال کیسے چھوڑ دیں؟'' ذرا عقل کو کام میں لاؤ۔ سوچو! تمہارے بڑے آدمی تھے یا دیوتا، یا ان کی پیدائش کسی اور طرح سے ہوئی تھی؟ جیسے ان کے دو ہاتھ پاؤں ویسے تمہارے، جیسے وہ عقل رکھتے تھے ویسی تم بھی رکھتی ہو۔ جیسے انھوں نے اپنے بڑوں کی اچھی رسم توڑ، بری رسمیں نکالیں یہ رسم پرانی کسی کتاب میں نہیں۔ نہ مہابھارت میں نہ پرانوں میں، نہ کسی اسمرتی (یاداشتوں) میں۔ بس، انھوں نے اپنے بڑوں کی چال کو توڑا۔ تم کو بھی چاہیے، جو خراب دکھ دینے والی رسمیں ہیں ان کو توڑ و اچھی رسمیں نکالو۔ جب انھوں نے اپنے باپ دادا کی رسموں کو توڑ دیا تم انکی پیروی نہ کرو۔ جیسی ان کی عقل تھی ویسی انھوں نے رسم نکالی۔ خدا کے کرم سے تم عقل رکھتی ہو۔ بس اس بدصورت نشانی کی جگہ کوئی خوبصورت نشانی بناؤ جس سے تمہارا سہاگ بھی غیر ولایت میں نہ جاوے۔

پاؤں کی انگلیوں کے بچھوے بھی سہاگ کی نشانی ہیں۔ جس دن سے شادی ہوتی ہے خاوند کے مرنے تک کبھی پاؤں سے الگ نہیں کرتیں۔ بہت سی عورتیں جن کو کھانے کو بھی میسر نہیں ہوتا وہ کانسے کا بچھوا پہنتی ہیں اور جو امیر ہیں وہ ایک ایک بچھوا دس بیس روپے سے کم کا نہیں پہنتیں۔ جن کی بدولت انگلیوں کا گوشت گل جاتا ہے، پہنتے وقت بھی دو چار زخم ہو جاتے ہیں۔ میں نے ایک عورت کو خود دیکھا کہ بھاری بچھوؤں کے باعث انگلیوں میں زخم ہو رہا تھا۔ بچھوؤں کی ڈنڈی انگلی میں گھس گئی تھی۔ انگلی کے کٹنے کو تھوڑا گوشت بچا تھا لیکن بچھوے نہیں اتار سکتی تھی۔ کیوں کہ ان کے خیال میں ہے۔ بچھوے اتاریں گی تو خاوند مر جائے گا۔ بس جہاں قدم دھرتی تھیں خون کا نشان ہو جاتا تھا۔ ایک عورت نے پاؤں کو پکڑ غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ انگلی گرنے کے قریب ہے۔ دو چار عورتوں نے مل کر سنار کو بلایا بڑی مشکل سے پاؤں کو پکڑ کر بچھوا اتارا۔ اس بیچاری کو مارے درد کے غش آ گیا۔ انگلی کو پانی سے دھو کر اوپر کپڑا لپیٹ دیا۔ مگر اس کی بے رحم ساس دیکھتے ہی خفا ہو کر سب کو برا کہنے لگی: ''تم نے کیوں

میری بہو کے پاؤں سے بچھوا اتارا اور کیوں میرے بیٹے کی بدشگنی کی؟ چاہے بہو کی انگلی کٹ جائے میں بچھوے کبھی نہ اتارنے دونگی۔تمہاری بات کیا ہے ،تم تو کِرانی (عیسائی) ہو۔میرے لڑکے کی جان سے اس کا درد بڑا نہیں ہے۔جب اس کا شگن نہ کرے گی تو کیا میں اسے بھاڑ میں جھوکوں گی؟" سنگ دل ساس نے انگلی پر سے کپڑا اتار پھر بچھوا پہنادیا۔ بے وقوف عورتیں یہ نہیں سمجھتیں کہ جب تک شادی نہیں ہوتی تب تک لڑکا کس کے شگن کرنے سے جیتا رہتا ہے؟ جب عورت مر جاتی ہے تو کون ان کے جینے کا شگن کرتا ہے؟ اگر انہیں میں سہاگ ہے تو چاہیے عورت کے ساتھ خاوند بھی مر جائے۔گویا ان کا جینا مرنا ان کی عورتوں کے پاؤں میں ہے۔پھر ساس نے یہ نہ سوچا کہ جب انگلی کٹ جائے گی تو بچھوے کیا ناک میں پہنے گی؟

پاؤں کے انگوٹھے میں ایک انبٹ نامی زیور ہوتا ہے جس کے نیچے پاوانگل کی کیل چھوٹی انگلی تک نیچے کی طرف رہتی ہے۔اسی زیور سے کئی عورتوں نے خون بھی کیے ہیں۔بڑی شرم کی بات ہے کہ اس قدر تکلیف اٹھاویں پھر تمہارا سہاگ بھی تم سے خوش نہ رہے۔افسوس بچھوے انگلیوں میں رہے اور سہاگ مر جائے۔اے سہاگ کا شگن کرنے والیو! سہاگ ان میں نہیں لیکن ان سے مر سکتا ہے اگر کبھی لگ جائے تو۔اگر کہو کہ یہ سہاگ کی نشانی ہے ،میری دست بستہ آپ سے عرض ہے کہ کوئی خوبصورت نشانی رکھو جس سے تمہارے آرام میں بھی فرق نہ آوے اور سہاگ بھی نہ مارا مارا پھرے۔اگر کہو کہ ہمارے باپ دادا کی رسم ہے، نہیں! یہ بیڑیاں آپ کی ہی ایجاد کی ہوئی ہیں۔خوب یاد رکھو! جب تک خود ان بیڑیوں کو نہ اتاروگی چاہے ہندوستانی ولایت میں تعلیم پاویں کبھی شائستہ نہیں بن سکتے۔دیکھو! جو عورتیں بچھوے نہیں پہنتیں ،ان کا سہاگ غلاموں کی طرح ان کا فرماں بردار رہتا ہے۔کبھی سہاگ دور ہو ہی نہیں سکتا۔ایک کے مرنے سے فوراً دوسری شادی کر سکتی ہیں۔تم نے اس طرح اپنے بدن میں سہاگ کو جگہ جگہ چھپایا،مگر افسوس! پھر بھی ایک خاوند کے مرنے سے ساری عمر رونا پڑا۔بس،اب ان زیوروں سے نکل کر سہاگ کو دل میں جگہ دو تا کہ سہاگ دوسری جگہ نہ

جاوے۔

(و) دوسرا عام زیور

جس سے کبھی ان کا دل بھر ہی نہیں سکتا۔ چاہے تمام دنیا کا زیور ایک عورت کو مل جاوے مگر پھر ان کی خواہش مثل پپیہے کے رہے گی۔ جیسے برسات میں چاہے کتنا ہی پانی برسے پپیہا کی خواہش کبھی نہیں بجھتی۔ ہمیشہ دل کے خیالات زیور کی ہی طرف دوڑا کرتے ہیں۔ کوئی ہندوستانی عورت نہ ہوگی جو مرتے وقت زیور کی حسرت ساتھ نہ لے جاتی ہو۔ بلکہ عورتوں نے یہ بھی ایک دستور بنا رکھا ہے کہ مری ہوئی عورت کو تھوڑا سا اپنی توفیق کے مطابق زیور پہنا کر جلاتے ہیں۔ اس عام زیور کی انتہا نہیں ہے، نہ کوئی حد مقرر ہے کہ اتنا ہونے سے زیور پورا ہو جاتا ہے۔ بس، جہاں تک مجھے معلوم ہے اور جو اس میں نقصان ہوے ہیں، لکھتی ہوں۔

اوّل، سر پر کئی زیور پہنے جاتے ہیں جیسے چَوک، چاک، چوٹا چٹھیلا، چوٹی، یہ چاروں سر پر رہتے ہیں۔ ایک چوٹی میں لٹکایا جاتا ہے۔ ایک ان کے اوپر باندھا جاتا ہے۔ دو بالوں کے بیچ گوندھے جاتے ہیں۔ بس، ان کے بھار اور بوجھ سے گردن پیچھے کی طرف رہتی ہے۔ ماتھے پہ بندی اور بینا اور تعویذ، جھومر، مورنی، چاند، شیش پھول، یہ سب ماتھے پہ باندھے جاتے ہیں جس کی کشش سے خون نسوں میں آنے جانے سے رک جاتا ہے۔ بس پھر، دردِ سر شروع ہو جاتا ہے، پھر ماتھے پہ کئی طرح کی لکیریں کرتی ہیں۔ لال، پیلی، کالے رنگ کی۔ جیسے راجا لوگ دشہرے کو ہاتھی، گھوڑوں کو رنگواتے ہیں ویسے ہی یہ اپنے چہرے کو رنگتی ہیں۔ ہندوستانی حبشنیوں کی تصویر دیکھ حقارت سے ہنستے ہیں۔ افسوس اپنے گھروں میں اپنی عورتوں کی حبشنیوں کی شکل دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔

کانوں میں چھلنی کی مانند چھید کر ان میں پتّے، بالی، بندے، چاند، مچھ، جھمکے، کرن پھول، ڈھینٹھی ڈھیڈو، ڈنڈی، تدوڑاے، مارے بوجھ کے کان دوہرے

ہو جاتے ہیں۔شروع میں چھید تے وقت بڑی مشکل سے بوجھ سہار تے ہیں۔کئی دوائیں ان پر لگائی جاتی ہیں۔بیمار ہو جاتی ہیں۔ہر دم خون پیپ بہا کرتی ہے۔صاف ہونے کی تو قیامت تک امّید نہیں۔بھاری بوجھ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ڈاکٹر سے سلواتی ہیں۔مہینوں کھاٹ پر پڑی رہتی ہیں۔نیچے کا حصہ کان کا یہاں تک بڑھاتی ہیں کہ موٹی بوتل کی ڈاٹ بھی چھوٹی ہوتی ہے۔اگر کہو،کان پھول نہ پہنو،جواب دیتی ہیں:"بغیر کان پھڑائے ثواب نہیں لگتا۔"جو ہندوستانی پنیہ (ثواب) کرتے ہیں ان کے کہنے بموجب سب بے فائدہ جاتا ہے کیوں کہ یہ کان نہیں پھڑاتے۔بس اس زیور سے کان کی نزاکت اور خون آنے جانے سے رک جاتا ہے۔عجب نہیں کہ دماغ میں بھی کچھ فرق آجاتا ہو۔گردن کو بھی ہلا نہیں سکتیں،بت کی مانند ہو جاتی ہیں۔رات بھر نیند میں بڑا خلل آتا ہے۔مگر زیور کو کانوں سے جدا کبھی نہ کریں گی۔

پھر گلے میں گلوبند،کنٹھا،جگنی،چمپا کلی،مالا ہار،تلڑی،دولڑی،چکلوی،ستلوی، پان ہار،پھول ہار،مَولسری کا ہار،چندوسَنگیی ہار،حمائل،بدھی،گلوبند،جو گردن میں باندھا جاتا ہے۔یہاں تک کس کے باندھتی ہیں کہ تمام گلے کی نسیں کھڑی ہو جاتی ہیں۔کسی سے بات نہیں کی جاتی۔پھر گردن کا چمڑا ایسا سخت اور کالا ہو جاتا ہے کہ ہاتھی کی پیٹھ اس سے زیادہ ملایم ہوگی۔اس قدر بوجھ سے گردن نیچے کو جھکی رہتی ہے۔غمزدوں کی مانند نیچا منہ کیے بیٹھی رہتی ہیں،چہرے پر سستی ہر وقت چھائی رہتی ہے۔ان سب میں ایک بدھی نام زیور جو پیٹھ اور چھاتی اور دونوں کندھوں پر رہتا ہے۔اسی زیور سے کیھوں کو زخم بھی ہوئے ہیں،بیمار بھی پڑی ہیں،پھر بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ان سے تو گائے بیلوں کو اچھا کہنا چاہیے کیوں کہ ان کے گلے میں صرف ایک رسّا ڈالا جاتا ہے اور وہ بھی اپنے ہاتھ سے نہیں،مالک ڈالتا ہے۔ان کے تو گلے سے لے کر پاؤں تک رسّے ہی رسّے نظر آتے ہیں۔افسوس ہے کہ اپنے گلے میں اپنے ہاتھ سے آپ رسّا باندھیں!

باہوں میں:بازوبند،جوشن،اگا،نورل،نونگے،بانک،ٹاڑ بہت کس کے

باندھے جاتے ہیں۔ کندھے سے کہنی تک بازو کس دیے جاتے ہیں۔ ہمیشہ بانہوں میں ان زیوروں کے نشان پڑ جاتے ہیں۔ بھاری چیز کوئی اٹھا نہیں سکتیں، نہ کوئی کام جلدی کر سکتی ہیں۔ ہر وقت بیماروں کی طرح کھاٹ پر پڑی رہتی ہیں۔ پونہچے (کلائی) میں کنگن، کڑے، باکھ، چھن، پچھیلی، پہونچی، جہانگیری، پری بند، مٹھی ان سے بانہہ کہنی تک بھر جاتی ہے۔ جس سے کہ ہلانا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ یہ سب زیور چھوٹی عمر سے پہنائے جاتے ہیں۔ پونہچے کی ہڈّی کی بڑھنے کی طاقت ماری جاتی ہے۔ تمام نسیں کمزور ہو جاتی ہیں۔ جتنی جگہ میں زیور رہتا ہے اتنی بانہہ پتلی اور کالی پڑ جاتی ہے۔ جس کو یہ خوبصورتی میں داخل کرتی ہیں۔ کوئی عمدہ کام نہیں ہو سکتا۔ اس کے پیچھے بھی انھیں بہت تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ مگر زیور کبھی دور نہیں کرتیں۔ بھلائی کی امّید تو ان سے ایسی ہے جیسے گدھے کے سر پر سینگھوں کی امّید کرنی، ہاتھ کی انگلیوں میں آرسی، انگوٹھی، چھلّے ، بانک، پور، پھول رتن، چونک سے ایک ایک نس انگلی کی کس دی جاتی ہے۔ ہتھ پھول زنجیروں سے ہاتھ کے اوپر باندھا جاتا ہے جس سے ہاتھ ہل نہیں سکتا۔ ایک ایک نس انگلی کی کس دی جاتی ہے کہ ڈھیلے چھلّے پہننے سے گرنے کا ڈر ہوتا ہے۔ بلکہ خون کے نہ پھرنے سے اکثر انگلی نیلی ہو جاتی ہے۔ کھانا کھانے میں بڑی دقّت اور سونے میں تکلیف۔ بدن صفا کرنے میں بہت قواعد ہوتی ہے اور کثافت سے تو خالی کبھی ہو ہی نہیں سکتی۔ صفا آدمی کبھی ایسے ہاتھ کا کھانا پسند نہیں کرتے اور بڑی بھاری اس سے خرابی یہ ہے کہ اگر غصے میں کسی بچّے کے منہ پر ہاتھ لگ جائے تو اچھا زخم ہو جاتا ہے اور کوئی اچھا کام ایسے ہاتھوں سے ہو نہیں سکتا۔

پاؤں میں کڑے، پازیب، پایل، چھڑے، بانک، گُجری، انوکھے، رمجھول نوپُر کم سے کم پانچ پانچ سیر کا بوجھ ایک ایک پاؤں میں ہوتا ہے۔ پھر پگ پان ایک زیور جو پاؤں کے اوپر زنجیروں سے باندھ دیا جاتا ہے۔ پاؤں اٹھانا تو درکنار ایک بالشت بھر کا بھی قدم نہیں دھر سکتیں۔ اگر کہیں بھاگنے کا موقع پڑے تو مثل دیوار کھڑی رہ جاتی ہیں۔ بہت سے بدبختوں نے ایسے ہی موقع پر عورتوں کو عاجز پا کر اشراف عورتوں کا

دھرم توڑا ہے جس کی بدولت انھیں اپنے تیئں کنویں یا تالاب میں گرانا پڑتا ہے۔ زیور والے پاؤں صفا تو قیامت تک ہو نہیں سکتے اور گائے اور بیل کے کھر کی مانند سخت ہو جاتے ہیں۔ چاہے بدن کتنا ہی گورا ہو پاؤں الٹے توے کو مات کرتے ہیں۔ رات کو سونے کے وقت جیسے قیدیوں کے پاؤں میں بیڑیاں بھر دی جاتی ہیں ویسے بے گناہ اپنے پاؤں میں بیڑیاں ڈال، اسیر کی طرح پڑی رہتی ہیں۔ بھاری بوجھ سے پاؤں ہلا نہیں سکتیں۔ ایسے کروٹ لینا بھی دشوار ہوتا ہے۔

اے (........)☆ شوقینوں، کیوں اپنے تیئں بدصورتی کا (........)☆ ہو، والایتوں میں رسوا ہوتی ہو؟ کیوں نقل کے پیچھے عقل کو کھوتی ہو؟ کیوں اپنے پیارے بدن کو تکلیف دیتی ہو؟ کیا تمھیں وہ مثل یاد نہیں ہے کہ: 'جی ہے تو جہان ہے، جی نہیں تو جہان نہیں'۔ کیوں اوروں کو دکھانے کو اوپر بوجھ لادتی ہو؟ اس صورت میں وہ خوش بھی نہیں ہوتے ہیں۔ مزدور جو دن بھر بوجھ اٹھاتے ہیں وہ بھی رات کو آرام کرتے ہیں۔ افسوس کہ تم خوشی سے رات دن بغیر مزدوری کے بوجھ اٹھائے پھرو! کوئی اس دنیا میں تمہارے برابر کا اندھا نہیں ہوگا جو بغیر قصور اپنے ہاتھ سے بیڑیاں بنا اپنے پاؤں میں ڈالے۔ کیوں اپنی تمام طاقتیں بوجھ اٹھانے میں خرچ کرتی ہو؟ کیوں اپنا قیمتی وقت اس دشمنِ جان کی فکر میں گنواتی ہو؟ کیوں اس سولی کے بستر پر آرام کرتی ہو؟ جو عورت زیور پہنتی ہے کبھی آرام سے نہیں رہتی۔ ہمیشہ بیمار رہتی ہے اور دل میں یہ خیال کرتی ہے کہ ہمیں بھوت چپٹا ہے۔ بھوت اصل میں کچھ چیز نہیں۔ بس، اس کا کچھ علاج بھی نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹر لوگ بھی اس وہم کی بیماری کے علاج سے ہار جاتے ہیں۔ بس، تم لوگ اسی زیور کی بیماری سے بے وقت اس جہان سے رخصت ہو جاتی ہو۔ میں نے کئی دفع دیکھا: جب زیور پہنتی ہیں دل پر سستی، چہرے پر زردی چھا جاتی ہے۔ بدن میں درد شروع ہو جاتا ہے۔ کسی سے بات کرنے کی طبیعت نہیں چاہتی ہے۔ پڑے رہنے کو ہی دل چاہتا ہے۔ سست پڑے پڑے معدہ کمزور ہو جاتا ہے۔ معدہ کمزور ہونے

☆ پڑھا نہ جاسکا

سے جو جو نقصان ہوتے ہیں سب ظاہر ہیں۔افسوس، اسی غلطی میں ہندوستانی عورتوں کی جان جاتی ہے اور کوئی خیال نہیں کرتا! جس آدمی کا پیدا ہوتے ہی بند کس دیا جائے گا کب امید ہوسکتی ہے کہ وہ پوری زندگی پاوے؟ خوب یاد رکھو، جب تک خود اس دشمن جان سے پرہیز نہ کروگی کبھی دنیا میں آرام نہ پاؤ گی۔ یہ الزام مردوں پر نہیں تم پر آتا ہے کیوں کہ یہ پھانسی تمہاری ایجاد کی ہوئی ہے۔جتنی اس کے پیچھے اس جہان سے گئی ہیں ان کا جواب بھی تمہیں سے پوچھا جائے گا۔جو آرام اس دنیا میں اس کی بدولت ملتا ہے تمہارا ہی بدن سہار سکتا ہے۔اب ذرا جہالت کی چربی آنکھوں سے دور کر کے دیکھو کہ تم میں اور جیل خانے کے قیدی میں کتنا فرق ہے؟ ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑی، پاؤں میں بیڑیاں ہوتی ہیں۔ذرا اپنے بدن کی طرف نگاہ کرو۔سر میں، سر کی چوٹی میں، ماتھے میں، ناک میں، کان میں، گلے میں، کمر میں، بانہہ میں، پاؤں میں، پاؤوں کی انگلیوں میں، پاؤں کے اوپر، بازو میں، پونہچے میں، ہاتھ میں، ہاتھ کی انگلیوں میں، ہاتھ کے اوپر، انگلی کے پوروے میں۔اب اپنی اور جیل خانے کے قیدی کی نسبت دو، کس پر زیادہ ظلم ہے؟ اب خیال کرو کہ یہ بیڑیاں کس نے بنائیں؟ تم سے تو جانور بھی شاید آرام میں ہونگے، جیسے گھوڑا، گائے، بیل، اونٹ، ہاتھی۔ان کی اگاڑی پچھاڑی باندھی جاتی ہیں، ویسی تمہارے، جیسے ان پر ساج لگا بگھی گاڑی میں جوتتے ہیں ویسے تمہیں سونا چاندی کی ساج پہنا کر گھر کے کاموں میں جوتتے ہیں۔

اے زیور کو جان سے عزیز جاننے والیو! جن کے واسطے یہ سکن مناتی ہو، اپنے پر بوجھ لادتی ہو، وہ تو تم کو کوڑی کی تین بھی نہیں سمجھتے۔ چاہے کتنا کان ناک کاٹ، ہاتھ پاؤں میں بیڑیاں ڈال، بدن پر بوجھ لاد، رحم کے لائق شکل بنا، ان کے سامنے آؤ مگر یہ سنگ دل ایک پل بھی تمہاری طرف رحم نا اٹھاویں جب تک خود اپنے اوپر رحم نہ کروگی، ممکن نہیں کہ ہندوستانی تم پر رحم کریں۔ ہمیشہ اسی قید میں رہی ہو اور رہوگی۔ اگر پرمیشور بھی تمہاری اس حالت پر رحم کر کے چھڑانے آوے، ہرگز نہ چھٹا سکے گا جب تک تم خود اپنے جسم سے مروّت نہ کروگی۔

اگر کوئی کہے کہ عورتوں کو ماں، باپ، خاوند کے حصے میں سے کچھ نہیں ملتا صرف زیور ہی ان کا عورت کا مال ہے، اگر یہ اس کا شوق چھوڑ دیں تو کوڑی کوڑی کو ماری ماری پھریں۔ بیشک ٹھیک ہے، مگر میں یہ نہیں کہتی کہ زیور کا شوق چھوڑ دو۔ بلکہ جو زیور جسم کو تکلیف دے اسے چھوڑ دو۔ اس کی جگہ خوبصورت زیور پہنو۔ بہت سے زیور ایسے بن سکتے ہیں جن کی قیمت زیادہ ہو اور وزن ہلکا۔ آج کے زمانے میں امیر پہنتے ہیں سونے کا، ان سے غریب چاندی کا، ان سے بھی غریب پیتل، رانگے اور کانسے کا۔ تکلیف سب کو برابر ہوتی ہے، جیسی امیر کو ویسی ہی غریب کو۔ امیروں کو چاہیے، جتنا سونے کا ہو جواہرات کا پہنے۔ غریبوں کو چاہیے جتنی قیمت کا چاندی کا ہو، اتنا سونے کا پہنے۔ ان سے بھی غریب کو چاہیے جتنا پیتل کانسہ پہنے اتنے مول کا چاندی کا بنوا کر پہنے۔ تب استری دھن میں بھی فرق نہ آئے گا، اور نہ بدن کو تکلیف ہوگی، نہ بوجھ لادنا پڑے گا، نہ خوبصورتی میں فرق آوے گا۔

دیکھو یورپ کی عورتوں کو، کیا وہ زیور نہیں پہنتی ہیں؟ مگر کیسے ان کے ہلکے خوبصورت زیور ہوتے ہیں، اور قیمت کی طرف خیال کریں تو تمہارے سارے زیور کی قیمت کی ان کی ایک انگوٹھی ہوتی ہے۔ بس، تمہارا ان کا استری دھن برابر ہے، مگر تم تکلیف میں رہتی ہو، وہ آرام میں۔

اس پر ایک بات مجھے یاد آئی ہے۔ کسی بیگم نے ایک رانی سے ملاقات کرنی چاہی۔ رانی صاحبہ نے خوب اپنے تئیں زیور سے آراستہ کیا، بڑے بڑے بھاری زیوروں سے گدھے کی مانند بوجھ اٹھایا اور بڑا بھاری زری کا جوڑا پہن کر ملاقات کو گئیں۔ بیگم ایک انگوٹھی کے سوا کوئی زیور پہنے نہ تھیں۔ نہ گوٹے کناری کو پسند کرتی تھیں۔ سفید کپڑا پہنے تھیں۔ جب رانی صاحبہ بیگم کے مکان پر اتریں بیگم صاحبہ کو دیکھ جانا کہ ان کی کوئی لونڈی ہوگی۔ اس کے دل میں خیال تھا کہ بیگم ہم سے بھی زیادہ زیور پہنے ہوں گی جب بیگم نے ہاتھ پکڑ، سلام کیا رانی صاحبہ بڑی حیران ہوئیں اور دل میں کہا کہ نواب انہیں کچھ پیار نہیں کرتا۔ کچھ دیر بعد رانی نے بیگم سے کہا: ''تم زیور کیوں نہیں

پہنتیں؟'' بیگم نے جواب دیا: ''خدا نے ہم کو دنیا میں بوجھ اٹھانے کو پیدا نہیں کیا۔'' پھر رانی نے کہا: ''تمہارا خاوند تمہیں کچھ پیار نہیں کرتا۔'' بیگم نے کہا: ''تمہارے خاوند سے زیادہ پیار کرتا ہے۔ مگر مزدوروں کی مانند بوجھ نہیں اٹھواتا ہے۔''

رانی: تمہیں زیور کیوں نہیں بنوا دیتا؟

بیگم: ہاں بنواتے ہیں۔

رانی: کہاں ہیں؟

بیگم نے انگوٹھی دکھا کر کہا: ''تمہارے سارے زیور کی قیمت کی یہ انگوٹھی ہے۔''

رانی نے سارا زیور اتارا اور اس انگوٹھی کو بازار میں قیمت جانچنے کو بھیجا۔ انگوٹھی کی قیمت ایک لاکھ اور زیور کی قیمت نوے ہزار تھی۔

اب دیکھنا چاہیے کہ کون زیادہ آرام میں تھیں؟ بیگم آرام میں تھیں، رانی تکلیف میں اور استری دھن دونوں کا برابر تھا۔

☆☆☆

نمبر 8

جوتی

بڑی شرم کی بات ہے کہ اتنے زیور کا شوق ہو اور چار آنے کی جوتی پاؤں میں نہ ہو۔ جس کے بغیر پاؤں گائے بیلوں کے کھر سے زیادہ سخت ہو جائیں۔ آپ چاہے کتنا جوتی سے پرہیز کرو پھر بھی جوتی کے ہی نام سے پکاری جاؤ گی۔ تم چاہے جوتی کو چھوڑ دو جوتی تمہیں جب تک پاؤں میں نہ پہنو ہرگز تمہارے سر کو نہ چھوڑے گی۔

نمبر 9

ہندی عورتوں کی پوشاک

دوپٹہ، چولی، لہنگا— ان تینوں کپڑوں کے سوا اور کسی قسم کا کپڑا نہیں پہنتیں۔ شاید جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے تبھی سے یہ پوشاک ان کے لیے مقرر ہوئی تھی کیوں کہ مہابھارت، بھاگوت سب میں عورتوں کے لیے ان تین ہی کپڑوں کا ذکر ہے۔ ڈھائی گز کا دوپٹہ جس میں اچھی طرح بدن بھی نہیں ڈھک سکتا، دو بالشت کی چولی جس میں باہیں، پیٹھ، پیٹ سب کھلا رہتا ہے۔ پانچ یا سات گز کا لہنگا، وہ پاؤں کے ٹخنے سے اونچا۔ کوئی کہے کہ لہنگے میں بہت جگہ بے شرمی ہوتی ہے، مثلاً ہوا چلنے میں، کسی اونچی سیڑھی چڑھنے میں۔ پائجامہ پہنو تو جواب دیتی ہیں کہ پائجامہ کسبیاں پہنتی ہیں گرہستنیں (گھر میں رہنے والیاں) نہیں پہنتیں۔ ٹھیک ہے جن کو شرم چاہیے وہ بے شرمی کی پوشاک پہنیں، جن کو بے شرمی چاہیے وہ شرم والوں کی۔ کیسی الٹی سمجھ ہے! پھر اگر کوئی کہے کہ چولی میں بدن نہیں ڈھکتا تو جواب دیتی ہیں: ’’ہم کِرانی (عیسائی) نہیں جو کُرتے پہنیں۔ جسے کرشچن ہونا ہے وہ کرتی پہنیں۔ ہم جو پہنتی رہی ہیں وہی پہنیں گی۔‘‘ بیشک ٹھیک اگر بدن ڈھکنے سے ہی کرانی ہوتا ہے تو ہندو پن کس میں۔ کیا ننگے رہنے میں؟ کیوں کہ گروجی نے ننگا رہنا ہندو پن میں داخل کیا ہے۔ دیکھو انگریزوں کو ان میں ہمیشہ نئی پوشاکیں ایجاد ہوا کرتی ہیں۔ ہمیشہ میم لوگوں کا خیال نئے قسم کی ایجاد میں رہتا ہے۔ ایجاد کی طاقت پرمیشور نے ہندوستانیوں میں پیدا ہی نہیں کی۔ رہی سہی کو پنڈت جی کرنے نہیں دیتے کیوں کہ نہ اچھا مہورت نکلتا ہے، نہ یہ ایجاد کر سکتی ہیں۔ منو اسمرتی میں لکھا ہے کہ اچھی بات کو نیچ سے بھی لینا چاہیے۔ بری بات اگر بڑا پنڈت مہاتمہ بتائے اسے چھوڑ دو۔

آج آدھا ہندوستان انگریزی کوٹ ، پتلون ، بوٹ پہنتا ہے۔تم کو بھی چاہیے جوتمہارے فائدے کی چیز ہوانگریزی لیڈیوں سے سیکھو۔اگر وہ مرد اس پوشاک سے کرانی ہوں گے تم ہندو بھی نہیں رہ سکتیں ۔بس،تم کوضرور چاہیے کہ عیسائی چھوڑ مہتر کی پوشاک کیوں نہ ہو،جس میں بدن ڈھکا رہے ہر وقت پہنو۔اپنے مہاتما بزرگ منو کے کہنے پرعمل کرو۔ان جھوٹے دغاباز،چیر ہرن لیلا کہنےوالوں کا کہنا مت مانو۔

پنجابی عورتوں کی پوشاک

چادر،کُرتا،لہنگا،سنتھا،ایسی تنگ پہنتی ہیں مانوبدن سے مل جاتی ہے۔ ازاربند کی جگہ بالکل سلوٹ نہیں رہنے دیتیں اور اسی حالت میں بازاروں میں پھرا کرتی ہیں۔جنہیں دیکھ، اشراف آدمی عرق میں غرق ہو جاتے ہیں۔بدمعاش اس حالت کو دیکھ، مثل بھیڑیے کے پھولتے ہیں۔افسوس ہے تمہارے خاوندوں پر جو اسی حالت میں تمہیں بازار جانے کی اجازت دیتے ہیں! گرمی کے دنوں میں صرف ایک چادر سر سے اوڑھ، دونوں پلّے بغل میں دبا لیتی ہیں۔ چھاتی وہی ننگی رہتی ہے۔پنجابی زبان میں اسے ادھڑ منجا کہتے ہیں۔مگر باریک چادر کا ہی ادھڑ منجا ہوتا ہے موٹے کا نہیں۔اسی کپڑے میں گھر کے کام،گلیوں میں پھرنا،سب کے سامنے آنا، بلکہ بازاروں میں بھی کسی وقت اسی پوشاک میں چلی جانا۔اے پنجاب کے بے شرمو!اس وقت شرم نہیں آتی جب تمہاری عورتوں کو سودا بیچنے والے ننگی دیکھ کر ہنستے ہیں، بلکہ خریدنے کے وقت موقع پا کر دست درازی کرتے ہیں۔اس وقت تم ایک چلّو پانی میں ڈوبنے لائق نہیں ہوتے۔اگر کہو کہ یہ الزام عورتوں پر ہے،ان پر بالکل نہیں ۔جب وہ شرم کا نام ہی نہیں جانتیں تب ان پر کیوں کر الزام آسکتا ہے؟ بس، اس بے شرمی کا الزام تم ہی پر ہے۔غور کرنے سے تمہارا دل خود تمہیں جواب دے گا کہ اس بے شرمی کے رہبر تم ہی ہو۔

(ب) رنگین کپڑا

رنگین کپڑا بھی سہاگ میں داخل ہے۔کوئی عورت جس کا خاوند جیتا ہو سفید

نہیں پہن سکتی۔ رنگ کے باعث ایک ایک کپڑا چھے چھے مہینے دھویا نہیں جاتا۔ گھر میں صفا ہو نہیں سکتا۔ دھوبی کو رنگ اڑ جانے کے خیال سے دے نہیں سکتی۔ رنگ گندا ہو جاتا ہے بد بو کا کچھ ٹھکانا ہی نہیں۔ مگر رنگین پہننا سہاگنوں کو فرض ہے۔ اتنا خرچ ان کو ملتا نہیں جو ہر روز نیا رنگوا کر پہنیں۔ بس، پرمیشور نے ان کو میلا اور گندا پہننے کو پیدا کیا ہے۔ گویا میلا رہنا ہی سہاگ کی نشانی ہے۔ کیوں نہ ہو۔ جب پنڈت پنڈتانی میلی دھوتی پسند کرتی ہیں تب چیلے چیلی کیوں نہ کریں؟ ذرا پنڈت جی سے پوچھو تو کون سی کتاب میں رنگین کپڑا سہاگ میں ہے، سفید نہیں۔ اگر رنگین کپڑا ہی سہاگ میں ہوتا تو جس وقت شادی میں سہاگ کی بنیاد پڑتی ہے کیوں سفید کپڑے کا چولا یعنی جامہ عورت کو پہنایا جاتا ہے؟ بس، اس سے صاف ظاہر ہے کہ سفید کپڑا پہننا، صفا رہنا سہاگ میں ہے۔ رنگین خوبصورتی کے واسطے ہے۔ اے سہاگ کو سہاگ میں رنگنے والیو! رنگین کپڑے میں سہاگ نہیں ہے بلکہ اس سے سہاگ کا خوش رہنا ہی بڑا مشکل ہے۔ یہ بات ظاہر ہے، جو آدمی غلیظ رہتا ہے اس کے پاس بیٹھنے کو کسی کی طبیعت نہیں چاہتی۔ پھر خاوند جس سے ہر وقت کا واسطہ ہے تب اس حال میں تمہارے پاس بیٹھنا پسند کرے گا؟

نجاست

کون ان کو غلیظ رکھتا ہے؟ کون کہتا ہے کہ صفا نہ رہیں؟ کیوں نہیں ہر روز کپڑا بدلتیں؟ کیا ان کے مردوں کے برابر ہاتھ پاؤں نہیں یا ویسا جسم نہیں؟ یہ خود غلیظ رہنا پسند کرتی ہیں۔

ہندوستانی ان کو غلیظ رکھتے ہیں۔ کپڑا بدن ڈھکنے کو نہیں ملتا۔ ہر روز کہاں سے بدلیں؟ دوسرے مردوں کے برابر ان کے ہاتھ پاؤں نہیں! پرمیشور تو برابر ہی پیدا کرتا ہے مگر ہندوستانی کچھ چھانٹ دیتے ہیں۔ اور نہ ویسا جسم ہے ان کا، کیوں کہ وہ ہر روز تازہ ہوا کھاتے ہیں، جہاں جی چاہتا ہے وہاں آزاد پھرتے ہیں، اپنی خوشی کا کام کرتے ہیں، عورتوں پر ہر وقت حکومت کرتے ہیں۔ اور یہ پیدائش سے جیل خانے میں ڈالی

جاتی ہیں۔رات دن ساس نند کے طعنے ، ہر وقت خاوند کی مار۔پھر خاوند کی بدفعلیوں سے ہر وقت جی جلانا۔پھر جس سے انسان اور حیوان کی زندگی ہے،اس سے محروم رہنا،ہر وقت میلی رہنا۔تازہ ہوا ان کو خواب میں بھی نہیں ملتی۔بس،ان کا جسم ان کے برابر کیوں کر ہوسکتا ہے؟اگر کوئی کہے کہ اتنی تکلیفوں میں زندہ کیسے رہ سکتی ہیں؟ یہ پرمیشور ہی کی کرپا (کرم)ہندوستانیوں پر جو اتنی تکلیفوں میں بھی ان کی خدمت کرنے کو ان کو جلاتا ہے۔

(د) کپڑا

جیسا ان کو لا دیتے ہیں یہ پہن لیتی ہیں۔نہ ان سے پوچھا جاتا ہے،نہ دکھایا ،نہ پسند کرایا جاتا ہے۔جیسا جی چاہتا اور سستا دیکھتے ہیں لا دیتے ہیں۔آپ ہر روز یا دوسرے تیسرے دن کپڑا بدلتے ہیں۔یہ سال بھر میں شاید بارہ دفعہ بدلتی ہوں گی۔

سو روپے تنخواہ والے کا کپڑے کا خرچ سو روپے سال سے کم نہ ہوگا۔عورت کے واسطے دس روپے بھی بڑی مشکل سے خرچتے ہیں۔ایک ہفتے میں آٹھ دفعہ کپڑا بدلیں بیشک صاف رہے گا ،اور جو آٹھ ہفتے میں ایک دفعہ بدلیں وہ کیوں نہ میلا رہے؟ بس،عورتوں کو مرد ہی گندا رکھتے ہیں،وہ خود میلی نہیں رہتیں۔اے اپنی گندی عورتوں کو دیکھ کر خوش ہونے والو! پھر ان پر میلی رہنے کا الزام لگا،رنڈی لونڈی کی تلاش کرنے والو! آپ یہ خیال نہ کریں کہ عورتیں غلیظ رہتی ہیں،ہم تو صفا رہتے ہیں۔نہیں اس کی بدبو نے کچھ عورتوں کے ہی دماغ کو میلا نہیں کیا بلکہ آپ کے دماغ میں بھی اس نے بہت کچھ اثر پیدا کرلیا ہے۔اور جو بیماریاں ان غلیظ سی عورتوں کو ہوتی ہیں ان کا ظلم بھی آپ ہی کی گردن پر ہے۔عورتیں جو تکلیف اٹھاتی ہیں اس کا جواب بھی آپ ہی سے پوچھا جائے گا۔اے ہندوستانی بھائیو! ان بیچاریوں کو غلیظ رکھ،جیل خانے میں ڈال،آپ صاف رہ،باہر کی سیر کرو اور پھر ان دکھیوں پر شک رکھو،خدا کے سامنے کیا منہ دکھاؤ گے؟

☆☆☆

نمبر 10

قدیم عورتوں کی حالت سے آج کل کی عورتوں کی نسبت

کیا یہ وہی ہندوستان کی عورتیں ہیں جن کو برہمہ نے اپنے آدھے جسم سے پیدا کیا تھا؟ افسوس ہے کہ آدھا انگ مزے اڑائے آدھا دکھ سہے!

کیا یہ وہی ہیں، جو رتنوں میں گنی جاتی تھیں؟ کیا پرمیشور کی شان ہے! آج کل یہ پتھر سے بھی زیادہ بھاری معلوم ہوتی ہیں۔ کیا یہ وہی ہیں جن سے راجا جے پال انصاف کی کتاب پڑھنے آیا تھا؟ افسوس، اب انہیں کے حق چھینے گئے! یہاں تک کہ انصاف کے معنی بھی ان کے دل سے نکالے گئے۔ اپنے اوپر بڑی خوشی سے ظلم کو سہتی ہیں اور چوں نہیں کرتیں۔ کیا یہ وہی ہیں جو اکیلی تمام صوبوں کا حساب کرتی تھیں؟ اب اتنا بھی نہیں جانتیں کہ روپے کے کتنے پیسے ہوتے ہیں۔ کیا یہ وہی ہیں جنہوں نے علم کے زور سے گایتری برہمہ وادنی خطاب حاصل کیا تھا؟ کیا غم کا دن ہے کہ اب جہالت کی بدولت چڑیل، بھوتنی، بدذات خطاب ان کو ملتا ہے! کیا یہ وہی ہیں جو شُبھے، بھدرے، سادھوی کے نام سے پکاری جاتی تھیں؟ اب اس کی بجائے بیوقوف، کم عقل، مکھل، کلہنی، ناقص، نام سے پکاری جاتی ہیں! کیا یہ وہی ہیں جو ایک برہمہ کی اُپاسنا (عبادت) کرتی تھیں؟ افسوس، اب پتھر، پیتل، دھاتو، بوڑھا بابو، اوپر والی، شیخ سدو، نگاہے والا، سانپ، بچھو، الو، چیل، کوا کو پوجتی ہیں!

کیا یہ وہی ہیں جن کے اُپدیش سے، جن کی صحبت سے، لوگ علم حاصل کرتے تھے؟ اب ان کی طرف سے لوگوں کو یہاں تک نفرت ہے کہ بغیر ضرورت بات کرنی بھی پسند نہیں کرتے۔ جو ان کی صحبت میں بیٹھتا ہے ان کو جنکھا (عالم) کا خطاب ملتا ہے۔

کیا یہ وہی ہیں جن کی عزّت بڑے بڑے مہاتما لوگ کرتے تھے، بڑے بڑے راجا ان کے استقبال کو آتے تھے؟ افسوس، ہزار افسوس، اب جوتی کے برابر ان کی عزّت گنی جاتی ہے!

کیا یہ وہی ہیں جن کے مرنے سے لوگ غم میں ساری عمر گذار دیتے تھے؟ اب ان کی زندگی میں لوگ دس دس شادیاں کرتے ہیں۔ کیا یہ وہی ہیں جو آپ پسند کر کے گندھرو وِواہ اور سوئمبر وِواہ (لڑکی کی پسند کی شادیاں) کرتی تھیں؟ آج کیسا ان پر ظلم ہے کہ بغیر جانے دیکھے بھالے چوڑھے چنڈال کو گائے بیل کی مانند دے دی جاتی ہیں! کیا یہ وہی ہیں جو اٹھارہ برس یا بیس برس برہمہ چریہ (ضبطِ نفس) حاصل کر کے پڑھتی تھیں؟ ہائے اب کیسے سوگ کا دن آ گیا کہ یہ تعلیم کا نام لینے سے سوسو کوس بھاگتی ہیں، اور جو ان میں سے کوئی پڑھتی ہیں اسے، کرانی کہتی ہیں! افسوس، اب شادی سات برس میں ہو جاتی ہے اور دس برس میں ماں بن جاتی ہیں۔

کیا یہ وہی ہیں جو بڑی بڑی سبھا میں شاستر ارتھ کرتی تھیں؟ (مذہبی مباحث میں حصہ لینا) اب شاستر ارتھ لفظ کا مطلب نہیں جانتیں! کیا یہ وہی ہیں جو بڑی بڑی سبھاؤں میں منہ کھولے اوّل نمبر میں بیٹھتی تھیں؟ افسوس، اب کیسا ہندوؤں کی عقل پر پردہ پڑ گیا ہے کہ عورتوں کو مردوں کے سامنے جانے سے بھی روکتے ہیں!

ہے پرمیشور! جلد وہ دن لا جب ہندوستانی عورتیں اپنی پہلی حالت میں ہو جاویں۔

نمبر 11

عورتوں کے خراب ہونے کے اسباب

دل میں پہلے پہل بدخیال پیدا ہوتے ہیں۔اس کے کئی سبب ہیں۔

اوّل: شادی نہ ہونے سے۔

دوسرا: بیوا ہونے سے۔

تیسرا: بوڑھے سے شادی ہونے سے۔

چوتھا: جس کی شادی چھوٹے لڑکے سے ہوئی ہو۔

پانچواں: ساس نند کے بہت دق کرنے سے۔

چھٹا: خاوند کی بدفعلیوں سے دل جل کر۔

ساتواں: روٹی کپڑا نہ ملنے سے۔

آٹھواں: مفلسی سے۔

نواں: جو دولت مند خود مختار ہو۔

☆☆☆

نمبر12

بدمعاشوں کی حالت

شروع میں جب دل میں بدخیال پیدا ہوتے ہیں۔ پرمیشور کا خوف ساتھ ہی دل میں ہوتا ہے۔ مگر وہ خواہش پرمیشور کے خوف کو ہٹا دیتی ہے۔ اس خیال سے کہ پرمیشور کیا کرے گا، جب کرے گا تب دیکھا جائے گا۔ یہاں پرمیشور نظر نہیں آتا۔ پھر ماں باپ رشتے داروں کا خوف عجیب دل کی حالت کرتا ہے۔ فوراً کہتا ہے، ''ایسا کام نہ کر، رشتہ داروں کو خبر ہونے سے بہت خرابی ہوگی۔'' خواہش کہتی ہے، ''ایسی تجویز کر کہ انہیں خبر نہ ہو''۔ اور طرح طرح کی تجویزیں بتاتی ہے۔ کبھی خوف غالب ہوتا ہے کبھی خواہش۔ خوف سے دل دھڑکتا ہے، خواہش نے ادھر دل کو قید کر لیا ہے۔ مگر وہ خواہش سے پیدا ہوا ہے اس لیے یہی غالب ہوتا ہے۔ جب دشمن سامنے آوے تو کون سے ہتھیار استعمال کرنے چاہیے۔ دشمن دو طرح کے ہوتے ہیں ایک جسمانی، دوسرے روحانی۔ جسمانی دشمن جانور، شیر، سانپ، آدمی وغیرہ ہوتے ہیں۔ ان کے واسطے تلوار بندوق چاہیے۔ روحانی دشمن شہوت، غصہ، حرص و ہوس، غرور ہیں۔ ان میں سب سے بڑا شہوت روح کا دشمن ہے۔ اس کے واسطے داناؤں نے وجدان کو ہتھیار تجویز کیا ہے۔ اس وقت آدمی کو سوچنا چاہیے کہ جب ہم مر جائیں گے تو یہ چیزیں جواب ہم کو خوش کرتی ہیں دوسرے کی ہو جاویں گی۔ زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں۔ اس تھوڑی عمر کے واسطے دنیا میں بدنامی اٹھانا اچھا نہیں۔

اس وقت اس کے سامنے دونوں کھڑی ہوتیں ہیں، نیکی اور بدی۔ نیکی کے لیے بڑی شان والا تخت ہے اور بدی کے لیے بڑا اندھیری غار ہے۔ مگر یہ اس غار میں

ہی زیادہ آدمیوں کو پڑا دیکھ کر جلد گر پڑتا ہے۔ جب ایک دفعہ گر گیا پھر اٹھنا مشکل ہے۔ تب پڑا پڑا پچھتاتا ہے، دکھ اٹھاتا ہے، مگر وہ وقت ہاتھ نہیں آتا۔ بس، چاہیے آدمی کو جو کام کرے اس کا پہلے انجام سوچ لے۔ پھر کوئی اچھا آدمی تلاش نہیں کر سکتیں، نہ کوئی اچھی جگہ ملتی ہے جہاں اپنی خوشی پوری کر سکیں۔ مثل مشہور ہے، چوروں کے واسطے اندھیری رات۔ بس، لاچار ہو، نائی یا کہاروں سے خراب ہوتی ہیں کیوں کہ باہر تو نکل ہی نہیں سکتیں جو اچھا مرد تلاش کریں۔ اور پروہت جی کا تو کچھ ڈر ہی نہیں کیوں کہ تن من دھن ہندوستانی عورتوں کا بیوقوفوں نے ان کو سونپ دیا ہے۔ جس کام میں کسی کا خوف ہو، خوشی کبھی ہو ہی نہیں سکتی۔ بس، جس خواہش کو تم لوگوں نے پورا کرنا چاہا اس کا لطف تو اٹھا ہی نہیں سکیں۔ جب ماں باپ رشتہ داروں کو خبر ہوتی ہے، وہ لوگ جان کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ خبر نہ ہو۔ یہ بات تم کو ضرور یاد کرنی چاہیے کہ اگر سات کوٹھری کے اندر کریں، وہ کوٹھے پر ڈھول پیٹتا ہے۔ عشق مشک کبھی چھپا نہیں رہتا ہے۔ چاہے کتنا ہی ہوشیار ہو اس جگہ ٹھوکر کھا ہی جاتا ہے۔ ماں باپ سے جہاں تک ہو سکتا ہے کام ہی تمام کرتے ہیں۔ آج کل انگریزوں کے خوف سے ظاہر اً مار نہیں سکتے۔ کسی حیلے سے مار دیتے ہیں۔ اگر مرتی نہیں تو بے دین ہو جاتی ہیں۔ رشتہ داروں کی نظروں میں حقیر ہوتی ہیں اور کوئی عزّت نہیں کرتا۔ ماں، باپ، بھائی الشامروت کی جگہ طرح طرح سے دق کرتے ہیں۔ کوئی اپنی بہو بیٹی کے پاس بیٹھنے نہیں دیتا۔ سب میں بدمعاش مشہور ہو جاتی ہے۔ چھنال نام پڑ جاتا ہے۔ سوا ان سب خواریوں کے اپنا دل بھی آرام میں نہیں رہتا۔ ہر وقت چوری فریب کے خیال اٹھا کرتے ہیں۔ بدمعاشی کرتے وقت تو لوگوں کا خوف تھا، مگر اب تک اور دوسرا خوف اپنے ہی دل کو دکھاتا ہے کہ کسی طرح ظاہر نہ ہو جاویں۔ لوگوں میں ظاہر تبھی تک نہیں ہوتی جب تک حمل نہ ہووے۔ یہ پرمیشور (خدا) کی قدرت ہے کہ جہاں دو چیزوں کا ملاپ ہوگا ضرور تیسری شکل بنے گی۔ اسی کی فکر میں رات دن دل کو چین نہیں ملتا۔ ہر وقت اسی کی تجویزوں میں رہتی ہیں۔ کوئی دوا ایسی مل جائے جس سے حمل نہ ہو۔ جب حمل ہوا پھر تو

عطر کی خوشبو کی مانند بات اڑ جاتی ہے۔اب دائیوں کی خوشامد کرتی ہیں۔ ہزاروں روپے رشوت دیتی ہیں۔حکیموں کا علاج ہر وقت ہوتا ہے۔اور جہاں کہیں سے بنتا ہے ہر ایک سے یہ سوال کرتی ہیں مگر انھیں سے جو اس کام میں تجربہ کر چکی ہیں۔جو کچھ وہ لوگ اس وقت اس کو دیتے ہیں یہ امرِت سے بھی میٹھا جان، اس کو کھا لیتی ہیں۔اور اس کا احسان کبھی نہیں بھولتیں۔اس وقت اسے جان کا بھی خوف نہیں ہوتا۔ بہت سی عورتیں ایسے وقت مر جاتی ہیں کیوں کہ دوائیوں کا تو کچھ شمار نہیں ہی ہوتا۔بس، یہی دوا انھیں کا کام تمام کرتی ہے۔میرے نزدیک ان کا ایسے وقت پر مر جانا ہی اچھا ہے کیوں کہ زندہ رہنے سے کنبوں کی خرابی کی باعث بنتی ہیں۔

پھر ماں باپ اس وقت یہی چاہتے ہیں کسی طرح یہ لڑکی مر جائے۔ بلکہ دائیوں کے ذریعہ سے کنبوں نے زہر کی گولی دلوا کر مروا دی ہیں۔

پھر اگر کنبے میں سرخ رو رہی تو خیر یا کوئی عمر کی پوری ہو تو اور آفت آتی ہے۔عجیب جگہ تلاش کرتی ہیں جہاں اس بے گناہ کا کام تمام کریں۔بچہ پیدا ہوتے وقت عورتوں کے جسم کی بہت حفاظت ہونی چاہیے۔کھانے اور دوا اور حیا سے۔اس وقت نا کوئی دائی ہوتی ہے نہ کوئی کھانا وغیرہ دینے والا۔ جب بچہ پیدا ہوا، اسی وقت اپنی چوٹی کا دھاگا کھول، اس بے گناہ کو پھانسی دہ کپڑے میں لپیٹ، سر پر دھر، دریا یا کسی اور جگہ پھینکنے کو لے جاتی ہیں۔

آہ! کیا شوق کا وقت ہے کہ جس کے ہونے کو یہ دائیوں، حکیموں، پنڈتوں ، سنتوں، فقیروں سے منّتیں کر پاتی ہیں ۔ اسی کو انہیں لوگوں سے دور کرنے کا علاج چاہتی ہیں۔جس کا وجود ہونا عورتوں کو بادشاہی ملنے سے بھی زیادہ خوش کرتا ہے۔آہ! آج اسی کا وجود ان پر مصیبت کا پہاڑ معلوم ہوتا ہے۔ جو حمل کا دن ان کو دنیا کی نعمت پانے سے بھی زیادہ خوشی میں گذرتا ہے وہی دن ان کو برہمہ کے کلپ سے بڑا بیتتا ہے۔جس کی ہر گھڑی یہ شگن منا منا کر بتاتی ہیں وہی گھڑی یہ رو رو کے تمام کرتی ہیں۔جس کا ایک ایک پل ان کی خوشی بڑھاتا ہے، وہی پل ان کی مصیبت کے زیادہ

ہونے کا باعث ہو جاتا ہے۔ جس کا منہ دیکھنے سے ماں کی تمام خوشی اور امّید پوری ہو جاتی ہے، اسی کا منہ دیکھنے سے اس کی سب خوشی دور ہو جاتی ہے، اور دکھ کا دریا بہ نکلتا ہے۔ کیا پرمیشور کی مایا (اوپر والے کا کرشمہ) ہے کہ جس بچے کو ماں اپنی تمام مہربانیوں سے اپنے اوپر تکلیف جھیل کر پالتی ہے، ہائے اسی کو یہ کمبخت ماں تمام خدا کے قوانین کو توڑ کر خود اپنے ہاتھوں سے ہلاک کرتی ہے۔

کیا اس بے گناہ کا خون کرتے پرمیشور کا خوف بھی تمہارے دل میں نہیں آتا؟ کیا اس وقت مردانا جوش بھی اپنا اثر نہیں کرتا؟ کیا اس کی بھولی بھالی صورت تمہارے دل میں رحم پیدا نہیں ہونے دیتی؟ اس بچے کا تو کچھ گناہ نہیں، گناہ تو آپ ہی کا ہے۔ کیوں نہیں اس وقت اپنے ہی گلے میں پھانسی دی جب دل نے بدفعلی کرنے کی ترکیب دی تھی؟ نہیں، لڑکے کو پھانسی دیتے وقت پرمیشور کا بھی ڈر ہونا چاہیے تھا۔ مادرانہ مروّت بھی اثر کرتی ہے مگر لوک کی لاج سے یہ پاپ کرتی ہیں کیونکہ اس کے رہنے سے اس بدفعلی کا ثبوت ہو جائے گا۔ اس عیب کو چھپانے کو یہ بھاری پاپ اپنے سر پر اٹھاتی ہیں۔ اس وقت جیسا صدمہ ان کے دل پر گذرتا ہوگا کوئی بیان نہیں کر سکتا۔ پچھلی سب باتوں کو پچھتاتی ہیں۔ پرمیشور کے آگے گناہ معاف کرنے کی دعا مانگتی ہیں: ''ہے پرمیشور، ہم پھر کبھی ایسا کام نہ کرینگی''۔ یہ خیال دو چار دن ان کی طبیعت پر رہتا ہے پھر گم ہو جاتا ہے کیونکہ یہ ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کا پھسلا آدمی سنبھل سکے۔ یہ وہ پھسلنا ہے، جب ایک دفعہ پاؤں پڑا پھر نیچے کو ہی دھنستا جاتا ہے۔ پھر اگر یہاں سے بھی بچی اور لوگوں نے بہت تنگ کیا تو اگلوں پچھلوں کی ناک کاٹ، ان کی عزّت میں خاک ڈال، گھر کا سب اسباب لے، کسی بدمعاش کے ساتھ نکل گئی۔

اکثر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جن عورتوں کے لڑکے لڑکیاں ہوتی ہیں وہ بھی نکل جاتی ہیں۔ پھر یہ کچھ بات نہیں کہ ایک کام کے پیچھے سب کی مروّت چھوڑی جائے۔ بے شک پہلے اس کے جوش میں کچھ خیال نہیں ہوتا مگر پیچھے جو حالت ہوتی ہے

تمہارا دل ہی جانتا ہے۔ کیا ان پیارے بچوں کی جدائی دل نہ جلاتی ہوگی؟ کیا ماں باپ کی جدائی کا غم نہ ہوتا ہوگا؟

پھر جن کو اپنا جان سارا تن من دھن دے ساتھ نکلتی ہیں وے احمق وفا کے نام سے بھی واقف نہیں ہوتے۔ ان کا روزگار یہی ہے۔ کسی کو نکال لائے۔ اس کا مال و اسباب چھین الگ ہوئے۔ پہلے میٹھی باتیں بنا کر نکال لاتے ہیں پیچھے تلوار دکھا کر سب کچھ چھین لیتے ہیں۔ اس وقت سب پچھلی باتیں یاد آتی ہیں۔ بڑا بھاری غم ہوتا ہے۔ اپنے کیے کو پچھتاتی ہیں۔ نہ اس وقت کوئی رشتہ دار نہ غم خوار۔ جس وقت دنیا میں ہمیں کوئی اپنا دوست یا رشتہ دار دکھائی دے تب یہ دنیا ہماری آنکھوں کے سامنے اندھیری نظر آتی ہے۔ وہی حالت تمہاری ہوتی ہے۔ دنیا میں آنکھ پسارنے سے اپنا کوئی نظر نہیں آتا۔ بس، لاچار ہو اس وقت خانگی بننا پڑتا ہے۔ یہ روزگار بھی تبھی تک رہتا ہے جب تک جوانی ہے۔ جب بڑھاپا آیا کوئی کوڑی کی تین تین بھی نہیں پوچھتا۔ اس روزگار میں بھی بڑا خطرہ رہتا ہے کہ کوئی ایسا نہ آوے جو پہلوں کی مانند پھر چٹیا مونڈ لے جائے۔ یہ عام بات ہے کہ جو دکان صفائی ہر طرح کی چیزوں سے آراستہ ہوتی ہے وہاں ہی زیادہ خریدار آتے ہیں۔ سجاوٹ روپے سے ہوتی ہے۔ روپے کی آمدنی لوگوں سے ہوتی ہے۔ لوگ تب آتے ہیں جب اپنا خوش مزاج ہو۔ عورت کے مزاج میں خوشی تب ہوتی ہے جب کسی طرح کا رنج نہ ہو۔ یہ بات ممکن نہیں کہ اتنی تکلیفوں کے سہارنے سے تمہارے دل پر رنج نہ رہتا ہو۔ بس، یہ پیشہ بھی مشکل سے ہی انجام پاتا ہے۔

نمبر 13

مصیبتیں

اب بڑھاپا آیا، گویا نئے سرے سے مصیبتوں کا سورج چمکا۔اب کوئی پانی دینے والا نہیں۔جو جوانی کے یار تھے اس وقت گھر کا دروازہ دیکھ منہ پھیر لیتے ہیں۔اولاد کے نہ ہونے کا بندوبست پہلے ہی کر لیا تھا۔بس،اس وقت اکیلی ہر چیز کو منہ پسار کر پڑی روتی ہیں۔کوئی تسلّی دینے والا نہیں۔پچھلی باتوں کا ایک ایک حصّہ اس وقت سوگنا دل پر اثر کرتا ہے۔اس قدر مصیبتیں اٹھائیں،ہزار ہا گناہ کیے،ہزاروں کو تکلیفیں دیں،بڑھاپا آ گیا مگر پھر بھی باز نہیں آتیں۔اپنے بدن میں طاقت نہیں۔مزدوری تو کر نہیں سکتیں۔یوں ہی کوئی دیتا نہیں۔پاس کھانے کو کوڑی نہیں۔اب اپنے گذارے کا ایک اور نیا پیشہ شروع کرتی ہیں۔آپ کو تو اس کام میں خوب تجربہ ہوتا ہے۔بس،اوروں کو اس علم کا سبق پڑھانا شروع کرتی ہیں۔اشراف کی بہو بیٹیوں کو بہکا نکالنا،انھیں بیچ دینا،جہاں ہوا کا گذر نہ ہو وہاں بدمعاشوں کا پہنچنا،یا جس کو حمل ہوا ہو اس کے دور کرنے کی دوا بتانا،یا جس بیوا کو بچہ پیدا ہوا ہو اس کو مارنے اور پھینکنے میں مدد کرنا، یا کوئی کوٹھی نکال لینا جیسے لاہور اور امرتسر کی کوٹھیاں مشہور ہیں۔بس،ان کاموں کی بدولت بھی آپ کو بہت دکھ اٹھانا پڑتا ہے۔یعنی جن کی بہو بیٹیاں خراب کرتی ہو ان کی خبر ہونے سے جو حالت آپ کی کرتے ہیں آپ کا بدن جانتا ہے۔بلکہ کبھی کبھی جیل خانے میں بھی تشریف لے جانی پڑتی ہے۔آخر بڑی خرابیوں سے زندگی تمام کر مرتی ہیں۔پیچھے بھی بدنامی ہوتی ہے۔لوگ یہی کہتے ہیں ''بڑی بدمعاش عورت تھی۔اس نے بہت خون کیے۔کئی اشراف عورتوں کو خراب

Scanned by CamScanner

کیا۔خوب ہوا جو مر گئی۔''اب دیکھئے کس خرابی سے عمر تمام کی،دونوں جہان میں منہ کالا کیا۔آپ ماں باپ کو چھوڑا اوروں کے ماں باپ کو چھڑوایا،تڑپتے بچوں سے الگ ہوئیں،اوروں کو کروایا،آپ ساری عمر مصیبتیں اٹھائیں،اوروں سے اٹھوائیں،آپ نے سینکڑوں بے گناہوں کا خون کیا،اوروں کو اس بھاری گناہ میں پھنسایا۔پرمیشور کے سامنے کیا منہ دکھاؤ گی؟

نمبر 14

جواب ایک عورت کا

جب پرمیشور نے ان کو پیدا کیا تو سب حواس مردوں کے برابر دیئے۔ یہ کوئی بات نہیں کہ ایک خاوند مر جائے تو ساتھ سب اندریاں (حواس) اپنا اثر چھوڑ دیں۔ جب تک جسم میں دم ہے یہ ضرور اپنا اثر کریں گی۔ ایسا کوئی دنیا میں پیدا نہ ہوا جس نے ان کے فعل کو روکا ہو۔ بڑے بڑے مہاتما بھی اپنے حواس اور نفس پر قابو نہ پا سکے پھر عورت کیا چیز ہے جو روک سکے۔ عورتیں بہت صبر کرتی ہیں کہ بہت عورتیں ہیں جنھوں نے تمام عمر خاوند کا منہ نہیں دیکھا۔ یوں ہی عمر تمام کرتی ہیں۔ بہت ایسی ہیں جو خاوند کے مرنے کے بعد دس دس سال صبر ہی میں گذارتی ہیں۔

ذرا سوچ کے دیکھو تو معلوم ہو کہ مردوں سے سو گنا زیادہ صبر ان میں ہے، مگر پھر بھی یہ حواس اپنا اثر کرتی ہیں۔ بس، لاچار ہو، بدکام کرتی ہیں کیونکہ دوسری شادی ہم کو کرنے نہیں دیتے، ادھر ہمیں خواہشات چین نہیں لینے دیتیں۔ اس وقت ہماری آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔ نفع نقصان کی کچھ خبر نہیں رہتی ۔ جب لوگ بہت تنگ کرتے ہیں، روکتے ہیں، تب سب کی محبت توڑ کر گھر سے نکل جاتی ہیں۔ ماں باپ کو بھی چھوڑتی ہیں، بچوں کی جدائی بھی دل پر سہتی ہیں۔ دنیا میں بدنامی بھی اٹھاتی ہیں، اپنی عمر بھی خراب کرتی ہیں، اپنے عیب چھپانے کو ان بے گناہوں کا خون بھی کرتی ہیں۔ پرمیشور کے سامنے بھی منہ کالا ہوتا ہے۔ مگر جو قیدی جیل خانے میں بند ہیں، کھانا وغیرہ کی چیزوں سے لاچار ہیں، کوئی اس کی خبر نہیں لیتا۔ اگر اس حالت میں وہ اپنے ضروری کاموں کے لیے چوری کریں وہ پاپ نہیں ہے۔ پہلے ہندوستان میں رواج

تھا جب کوئی مرتا اس کی عورت کو اس کے ساتھ زندہ جلا دیتے تھے۔ اب انگریزوں کے راج میں یہ رواج جاتا رہا ہے۔ مگر بیواؤں کے واسطے کچھ بس نہیں ہوا۔ پھر بتاؤ وہ لوگ کیا کریں؟ ذرا انصاف کی نظر سے دیکھو کہ یہ مصیبتیں ان سے کون اٹھواتا ہے؟ یہ پاپ ہمارے بس میں نہیں کیونکہ ہم تو لاچاری میں یہ کام کرتی ہیں۔ یہ سب ظلم ہمارا پرمیشور دیکھتا ہے۔ اگر ہم خوشی سے کرتیں تو پرمیشور ہمیں سزا دے، نہیں تو جان بوجھ کر جو لوگ ہمارے سے گناہ کرتے ہیں انہیں کو سزا ملے گی ہمارا کچھ قصور نہیں۔ ہم پرمیشور کے سامنے سرخ رو ہیں۔ یہ گناہ ہندوستانی مردوں کا ہی ہے۔

افسوس ہے ہندوؤں کی عقلوں پر کہ جان بوجھ کر اپنی بہو بیٹیوں کو ایسے عظیم گناہ میں ڈالتے ہیں جس سے کبھی نکل ہی نہیں سکتیں! دل میں جانتے ہیں کہ ان کے بھی ہمارے برابر سب خواہشات ہیں اس پر یہ غضب کہتے ہیں کہ عورتوں کو مردوں کی نسبت اس طرف دونی رغبت ہے۔ حیف کہ بغیر شادی کے بٹھا رکھیں ان سے پارسائی کی امید رکھیں! دونا کھانے والے کو گھر میں قید کر کے بھوکا رکھیں اور آپ اسی کے سامنے چوگنا کھا کے مزے اڑائیں۔ اگر اس حال میں قیدی لاچار ہو، چوری کرے تو جان سے مارنے کو تیار ہوں۔ بس، اس سے بڑھ کے دنیا میں کون سا ظلم ہوگا۔

یہ مردانگی نہیں کہ بے چاری نا طاقت جیل خانے میں پڑی ہوئی ان کے ماتحت رہے۔ ان کو مار ڈالنا۔ مردانگی تب ہے جب ان کی رہائی کا کچھ بند و بست کریں۔ دل وہ چیز نہیں جسے کوئی قید کر سکے۔ جسم قید ہو سکتا ہے۔ کیا ہوا جو آپ نے عورتوں کو قید کیا۔ دل نے پھر وہی تصویر کھینچ کر تمہیں دکھائی جس کے لیے اس جسم کو قید کیا۔ بس، اب جسم چھوڑ دو اور دل کے قید کرنے کی تجویز کرو۔ اس کے قید کرنے کی یہی تجویز ہے کہ عورت اپنی پسند سے شادی کرے اور بیوا دوسری شادی کر سکے۔ جب آپس میں محبت ہو گی بس دل قید ہو گا۔ جیل خانے کا قیدی بھاگ سکتا ہے مگر محبت ایسی زنجیر ہے کہ مرنے تک نہیں چھوڑتی۔ دلوں کو قید کرنے کو محبت ایک ہی ہتھیار کافی ہے۔

☆☆☆

نمبر 15

اے نیک بخت ہندوستانیو!

دیکھ لی تم نے مردوں کی مردانگی؟ یہ خودغرض قیامت تک تمہیں گناہوں کے گہرے سمندر سے نکالنے کی سعی نہ کریں گے۔ بس، اب اپنی ہی ہمت کی کمر باندھو، ان ہمت کاروں کے بھروسے نہ رہو۔ پرمیشور کے سامنے اپنے آپ کو سرخ رو کرو، چند روز کی زندگی کے واسطے اپنی عاقبت نہ بگاڑو۔ دنیا کی جھوٹی لذتوں کے پیچھے اپنی انمول عمر بے وجہ نہ کھوؤ۔ اپنی ہوس کے لیے اپنے مذہب کو نہ گنواؤ۔ بے شک مانا کہ جس کو جس کام کے گناہ وثواب کی خبر ہی نہ ہو اس کو گناہ نہیں، مگر تم اپنا نفع نقصان سوچ سکتی ہو۔ برائی بھلائی جانتی ہو۔ جس کام میں ہم ہزاروں کو دکھ اٹھاتے دیکھیں، پھر اسی میں آپ گر پڑیں تو قصور ہمارا ہی ہے۔ بس، ہم کو چاہیے، اپنی مدد کرنا اور یہ بات بھی ٹھیک ہے، جو اپنی مدد نہیں کرتے پرمیشور بھی ان کی مدد نہیں کرتا۔ جس کام کو ہم جان بوجھ کر کریں اس کی سزا بھی ہمیں کو ہوگی۔ بس، اب اپنے تئیں اس سزا کو چھڑاؤ اور دھرم (مذہب) کو پکڑو۔ دھرم وہ نہیں جو پروہت جی نے بتایا۔ دھرم یہ ہے: سچ بولنا، سچا کام کرنا، ظاہر باطن ایک سا رکھنا۔ وہ نہیں جو دنیا کو دکھانے کو مذہبی بن جاتے ہیں اور دل سے گناہ گاروں کے استاد رہتے ہیں۔ ماں، باپ، بھائی، خاوند، لڑکے سب یہاں رہ جاتے ہیں صرف دھرم ہی ساتھ جاتا ہے۔ جن خواہشوں کے لیے گناہ کرتی ہو وہ بھی یہاں رہ جائیں گی۔ بس، اب وہی کام کرو جس سے دھرم نہ بگڑے اور دنیا میں بھی بدنامی نہ ہو اور اپنی عمر آرام سے گذرے۔ تمہاری بہتری کی یہی تجویز اچھی ہے کہ جب دل اس کی خواہش کرے تو دوسری شادی کرلو۔ اگر کہو ہماری بدنامی ہوگی ہرگز نہیں۔ ان

بدنامیوں سے یہ بدنامی کم ہے کیوں کہ اس میں ساری عمر مصیبتیں اٹھانی پڑتی ہیں، ماں باپ بچے چھوڑنے پڑتے ہیں۔ اس میں تمام عمر آرام سے گذرتی ہے۔

جو کام لوگوں کے بر خلاف پہلے کرتے ہیں، تھوڑے دن بدنام ہوتے ہیں، لیکن پیچھے اس کا آرام تمام دنیا کو ملتا ہے۔ جب آپ دس مل کر یہ کام کرو گی تب رفتہ رفتہ رواج ہو جائے گا۔ پھر کوئی بدنام بھی نہیں کرے گا۔ نہ ماں باپ جدا ہوں گے، نہ بچے چھوٹیں گے، نہ بے گناہوں کا خون تمہاری گردن پر ہوگا، نہ لوگوں کی نظروں میں حقیر ہوگی، نہ کوئی بے عزتی کرے گا، نہ لوگوں کی بہو بٹیاں خراب کر، جیل خانے میں جانا پڑے گا۔ اگر کہو کہ ہم گھر میں بیٹھی کیسے شادی کریں؟ کہاں تلاش کریں؟ پہلے، جب شادی کرنا چاہو ماں باپ سے کہو۔ وہ نہ مانیں، ماریں پیٹیں، فوراً سرکار میں اطلاع دو۔ اگر کہو، سرکار میں اطلاع کرنے کو کیسے جاویں؟ جواب: جب آپ خانگی بن امرتسر کے چکلے میں جاتی ہو تب کون راستہ بتاتا ہے؟ سرکار میں اطلاع کر، کسی اچھے نیک اشراف جو گذرا اچھی طرح کرسکتا ہے، اپنے لائق ہو، شادی کرلو۔ جب شادی کرنا چاہو اپنی مرضی کے موافق پسند کرلو۔ بے صبری کو کام میں نہ لاؤ کیونکہ برے خاوند سے بغیر خاوند رہنا اچھا ہے۔ چھوٹی عمر کی شادی کا الزام ماں باپ پر تھا۔ تم عقل رکھتی ہو۔ یہاں پروہت جی ٹیوا (راستہ) نہیں دیکھیں گے۔ نہ پنڈت صاحب لگن جڑانے آویں گے۔ اپنی عقل کے موافق جیسا آپ کرو گی ویسا ہی ساری عمر سہنا پڑے گا۔ بہت سی عورتیں ایسا کہتی ہیں۔ جس نے ایک سے پھیرے لے دوسرے سے شادی کی پرمیشور اس کو نرک میں ڈالتا ہے۔ دنیا میں وہ کسی کام ہی کی نہیں رہتی۔ مرنے کے بعد دھرم راج (موت کا فرشتہ) انہی مردوں کو یہ جن کی سنگ کرتی ہے لوہے کے بنا کر آگ میں تپا کر اس کے گلے سے لگوائے گا۔ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ جاہلوں کو دھوکا دینے کی یہ بات پنڈت جی نے بنائی ہے۔ پہلے انہیں کو تپی ہوئی عورتوں سے ملنا پڑے گا۔ بے شک، جو عورت اپنی پسند سے شادی کرے اور پھر اس خاوند کو دھوکا دے، دوسرے کے پاس جائے، عجب نہیں اس کے ساتھ ایسا ہو۔

شادی کرنے میں کوئی پاپ نہیں، نہ پرمیشور ناراض ہوتا ہے۔ اگر شادی ہی کرنے سے پاپ ہوتا تو بڑے بڑے رشی منیوں نے: وششٹ، پاراشر، وید ویاس، یا گوالکیہ، کشیپ، منوان سب نے شادی یوں ہی کی تھی؟ کسی سے پرمیشور ناراض نہ ہوا بلکہ عمدہ سے عمدہ جگہ جنت میں دی کہ آج تک سورج کی طرح ان کا نام دنیا میں روشن ہے۔ پھر، ہندو، مسلمان جو ایک عورت کے جیتے دس دس شادیاں کرتے ہیں انھیں کوئی گناہ نہیں لگتا؟

پھر تم کو خاوند کے مرنے کے بعد شادی کرنے سے گناہ کیوں لگے گا؟ گناہ و ثواب کا تعلق دل سے ہے، جسم سے نہیں۔ جب آپ بد کام کرتی ہیں، بیشک گناہ ہوتا ہے۔ اوّل چوری، دوسرا خون، تیسرا لوگوں کو رنج دینا، چوتھا اپنے دل کو بے قرار رکھنا اور طرح طرح کے عذاب دینا گناہ ہے۔ اور یہی سزا پاپوں کی پرمیشور کی طرف سے ہے کہ اپنے دل کو پل بھر بھی چین نہیں ملتا۔ جب شادی کرلے گی تب پرمیشور خوش ہو، تمہیں ساری عمر خوش رکھے گا۔ جو کام ہم کسی کی چوری سے کرنا چاہیں وہ قدرت ہی کی طرف سے ہمارے دل میں ایک طرح کا خوف پیدا ہوگا۔ جب اسی کام کو ہم ظاہر میں کرتے ہیں تب دل کو بے خوفی، خوشی ایک طرح کی ہمت ہو جاتی ہے۔ جب آپ سچ بولوگی، سچا کام کروگی، تب خود بخود دل کو ایسی خوشی ہوگی جو بیان سے باہر ہے۔

لوگ تم سے آپ ہی خوش ہو جائیں گے اور ایک طرح روح کو سکون پہنچے گا۔ اسی طرح سے شادی کرنے سے پرمیشور کی خوشی تم پر ظاہر ہوگی۔ سچ نیکی ہے، جھوٹ گناہ ہے اور کوئی گناہ ثواب نہیں ہے۔ شادی کرنا سچ، بد کام کرنا جھوٹ ہے۔ شادی کرنے سے پرمیشور خوش، بدی کرنے سے ناخوش ہوتا ہے۔ بس، تم وہی کام کرو جس سے پرمیشور خوش ہو اور آپ کو آرام ملے۔

نمبر 16

بیوہ کی دوسری شادی

منو اسمرتی میں لکھا ہے: 'جب برہمہ نے برہمن، چھتریہ، ویشہ، شودر سب کو پیدا کر لیا تب اپنے بدن کے دو بھاگ کیے۔ ایک سے عورت، دوسرے سے مرد بنایا۔' اگر یہی ایک جسم عورت کا مانا تب تو ایک دوسرے کے بغیر رہنا ہی ناممکن ہے۔ انسان حیوان میں یہ قدرتی ہے کہ بے اختیار دل ایک دوسرے کی طرف کشش کرتا ہے۔

تمام دنیا کے آدمی اس پر عمل کرتے ہیں۔ افسوس ہے کہ ہندوستان کی عورتیں اس قانون سے باہر ہیں! جب ایک ہی بدن سے پیدائش ہے دونوں کے حقوق برابر ہونے چاہیے نہ آدھے کو کل مختار نہ آدھے کو مجبور کیا جاوے۔ بلکہ آدھا آدھے کی فرماں برداری کرے۔ یہ انصاف نہیں ہے کہ آدھا جسم مرد کا عورت کے مرنے سے دوسری شادی کر سکے اور آدھا جسم عورت کا شادی بغیر جیل خانے میں مار دیا جاوے۔ پھر منو جی کہتے ہیں: 'بد اخلاق ہو، یا دوسری عورت سے انسیت رکھتا ہو، یا اوصافِ حسن سے عاری ہو تو بھی ہمیشہ نیک عورت کو دیوتا کی مانند شوہر کی خدمت کرنی چاہیے۔' اس سے تو منو جی کی بالکل خود غرضی پائی جاتی ہے۔ جب مرد اپنی عورت کو محبت تو درکنار ہے، غیر مرد سے بات کرتے دیکھتے ہی گلا کاٹنے کو تیار ہو جاتے ہیں، تب عورت کیونکر دیوتا کی عبادت کر سکے؟ زبردستی اور چیز ہے۔ منو جی بھی ہندی مردوں کے دادا پر دادا استاد تھے۔ پھر لکھا ہے: 'جنت میں شوہر کی خواہش رکھنے والی عورت مرنے کے بعد شوہر کے برخلاف نہ کرے۔ ایک کے مرنے سے دوسرے کا نام بھی نہ لے۔ تھوڑا کھانا کھا کر

وقت کوتمام کرے۔ ضبطِ نفس کرے۔ جوعورت دوسرے سے پیار کرے اس کی اس دنیا میں ذلت ہوتی ہے، اور دوشوہر والی کہلاتی ہے اور پر لوک دوسرے جہان میں شوہر کو نہیں پاتی۔' سادھوی کو دوسرا شوہر کسی شاستر میں نہیں لکھا۔

چی لوک کی تو خبر نہیں، کہاں ہے؟ کس ولایت میں ہے؟ کتنی دور ہے؟ مگر آج کل کے زمانے میں جوعورت ایک کے مرنے سے دوسری شادی نہیں کرتی بیشک آرام میں رہتی ہے، ان کی بہ نسبت جو شادی کر، مار پیٹ اور بہت باتوں سے پچھتاتی ہیں۔

یہ سراسر ظلم ہے کہ شوہر کے پیچھے تھوڑا سا کھا کر وقت کاٹ دے، مردوں کو نہیں لکھا۔ بیشک اگر ہوسکے تو وقت کو دنیا کے فائدے میں گزارے، نہیں دوسری شادی کرلیں۔ منوجی کہتے ہیں کہ اپنی عورت کے پاس جانے میں کوئی برائی نہیں ہے۔ یہ مثل بھی مشہور ہے کہ 'ایک ناری سدا جتی، ایک آہاری سدا ورتی' (جس طرح ایک وقت کے کھانے سے پورے دن کا روزہ مانا جاتا ہے اسی طرح ایک عورت سے رشتہ رکھنے میں کوئی برائی نہیں۔) یہ کہیں نہیں لکھا کہ شوہر کے مرنے کے بعد دوسری شادی کرنا گناہ ہے۔ ایک کی زندگی میں دوسری نہ ہو، مرنے سے دوسری ہو تب مذہب خراب نہیں ہوتا۔ پھر عورتوں کو مرے ہوئے خاوند کے پیچھے دوسری شادی کرنے سے بداخلاقی کیسے ہوگی؟ جوعورتوں کی عین زندگی میں دوسروں سے رشتہ رکھتے ہیں، بلکہ گھر میں دس دس سوت چھاتی پہ بٹھاتے ہیں، ان کی کوئی مذمت نہیں کرتا۔ پھر رانڈ عورتوں کی دوسری شادی ہونے پر کیوں مذمت ہوگی؟ جب مرد ہزاروں عورت والے کہلائے تب عورت دوشوہر والی کہلائی تو کیا ہرج ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ منوجی کا نہیں، کسی پنڈت جی کا بنایا ہوا ہے۔ کیونکہ منوجی لکھتے تو مہابھارت کو دیکھ کر لکھتے۔ اور شاستر میں دوسرا شوہر عورتوں کا نہیں لکھا اس کا یہ جواب ہے: کسی آدمی نے ایک شیر کی تصویر دیکھ کر کہا: 'دیکھو! آدمی کیسا زورآور ہے۔ شیر کی گردن ہاتھ میں اور پاؤں چھاتی پر، کیسی صورت سے شیر کو قید کیا ہے۔' شیر نے جواب دیا کہ اس کا مصور آدمی تھا۔ اگر شیر ہوتا تو آدمی کی چھاتی پر پاؤں اور منہ پر پنجا ہوتا۔ اور چی لوک تو چاہے سادھوی (شریف) ہو یا فاحشہ، کوئی پا

نہیں سکتی۔ جب دنیا میں ایک پلنگ پر اعتبار نہ تھا، پتی لوک میں مدّت سے جدا ہوگی۔ پھر تم نے یہ بات نہیں سنی کہ عورت چاہے خالص سونے کی طرح ہو اس کا اعتبار نہ کرنا چاہیے؟ بس، تمھیں پتی لوک کی امید نہیں کرنی چاہیے۔ وہاں ہرگز گھسنا نہ ملے گا، چاہے کتنا ہی ضبطِ نفس کر کے بھوکی مرو۔

یاگ ولکیہ منی کہتے ہیں: 'جس کا شوہر مر جائے تو اسے دیور یعنی دوسرے سے شادی کرنی چاہیے۔'

پراشر منی کہتے ہیں: 'شوہر کہیں چلا جائے، اس کا پتہ نہ ملے، مر جائے، بانجھ ہو جائے، بد اخلاق ہو جائے۔ ان پانچ حالت میں استریوں کو دوسری شادی کر لینی چاہیے۔'

یاگ ولکیہ منی کہتے ہیں: 'شوہر کو لا علاج بیماری ہو، بد اخلاق ہو، تو اس کے ٹھیک ہونے تک آسرا دیکھیں، یعنی بیماری کے دور ہونے تک۔ پھر دوسری شادی کر لیں۔' بیشک یہ ٹھیک ہے کیونکہ مرد، جب عورت لا علاج بیماری میں گرفتار ہوتی ہے۔ اس کی عین بیماری میں ہی دوسری سوتن لا بٹھاتے ہیں، یا بانجھ ہونے کا بہانہ کر دوسری شادی کر لیتے ہیں۔ عورتوں کو بھی اسی آئین سے دوسری شادی کر لینی چاہیے۔ مگر اس کی سمجھ میں یہ بالکل بے رحمی ہے اور نہایت بے وفائی کا کام ہے۔ کہ جب تک عورت مرد تندرست رہیں، ساتھ رہیں، اور جب کسی طرح کی آفت آوے یا ایک کو بیماری ہو تب ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑ دیں۔ نہیں، ہرگز ایسا نہ کرنا چاہیے۔ جب تک ہر دو سے ہر ایک کا دم باقی ہے، ساتھ رہیں، جب پرمیشور جدا کرے تو دونوں کو اختیار ہے چاہے شادی کریں یا نہ کریں۔ پھر لکھا ہے: 'شوہر پردیس میں چلا جائے تو برہمنی کو آٹھ سال انتظار کرنا چاہیے اور اولاد نہ ہوئی تو چار سال تک، اس کے پیچھے دوسرا شوہر کر لے۔ چھتریہ چھ سال، اولاد نہ ہو تو تین سال۔ ویشیہ چار سال، اولاد نہ ہو تو دو سال، شودر کو انتظار کی کوئی حد مقرر نہیں، جب چاہے دوسری شادی کر لے۔'

یہ ٹھیک انصاف ہے مگر برہمنی، چھتریہ، ویشیہ، شودر میں جو فرق کیا ہے وہ نہیں

ہونا چاہیے۔آج کے وقت میں مرد ایک ہفتے صبر نہیں کر سکتے اگر عورتیں اتنی مدّت بعد کریں تو کیا حرج ہے؟(دیکھو متا چھرا میں) جب جیتے خاوند کی زندگی میں دوسری شادی لکھی ہے تب مرے پر کس طرح رہا؟ (مہابھارت میں دیکھو) اگر دوسرا شوہر ہی عورتوں کے لیے نہیں ہے تو مہاراج پانڈو کیسے پیدا ہوئے؟ پھر ارجن، یوڈھشٹر، بھیم سین کہاں سے آئے؟ اگر دھرم شاستر میں نہیں لکھا تو ان لوگوں نے کیسے کیا؟ معلوم ہوتا ہے یہ دھرم شاستر پیچھے بنا ہے پرانا نہیں ہے۔ پھر ناگ راج کی لڑکی جب ودھوا ہوئی، دوسری شادی ارجن سے ہوئی۔ پھر چترانگدا کی بھی دوسری شادی ارجن سے ہوئی۔ بس، بیواؤں کی دوسری شادی ہونی دھرم شاستر سے درست ہے۔ یہ خواہش عورت مرد میں قدرت کی طرف سے ہے، آدمی کی بنائی نہیں۔ اگر پرمیشور کی مرضی ہوتی کہ خاوند کے مرنے سے عورت دوسری شادی نہ کرے تو اس کے ساتھ ہی اس کی خواہش بھی مر جاتی۔ نہیں، برابر دیکھنے میں آتا ہے: خاوند کے مرے پیچھے یہ خواہش اور ستاتی ہے۔ بس، اس میں پرمیشور کی مرضی صاف پائی جاتی ہے کہ عورت دوسری شادی کر لے۔ ایک دو خاوند کے مرنے سے نہیں، بلکہ جب تک خواہش باقی رہے چاہے پچاس خاوند مریں بیشک شادی کرلو۔

پھر جب کسی کا خاوند مرتا ہے، استری دھرم یعنی حیض برابر مہینے مہینے ہوتی ہے۔ یہاں بھی پرمیشور کا حکم ہے۔ اولاد ہونے کی امید ہے۔ جو لوگ اس بات کو پسند نہ کرتے ہیں اور اس کی دنیا کے زیادہ ہونے میں خلل ڈالتے ہیں۔ پرمیشور ایسے لوگوں سے ضرور بدلہ لے گا اور ان کو بھی وہی عذاب لگے گا جو لڑکیوں کے ہر حیض میں ماں باپ کو قتل کا لگتا ہے۔ وہ بہت سے آدمی جن سے اس ناقص رواج کو توڑنے کی بابت کہا جاتا ہے۔ وہ جواب دیتے ہیں: یہ رسم ست جگ میں ہوتی تھی کلجگ میں نہیں ہوسکتی۔ ست جگ میں چاروں طرف دھرم تھا۔ لوگ سچ بولتے تھے۔ یہ ضبطِ نفس وغیرہ کرتے تھے۔ اس وقت ایسے رواج کو پسند کیا۔ کلجگ جس میں ایک حصہ بھی دھرم نہیں رہا(.....)☆ یہ رواج بند ہوا۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ مذہبی لوگ ست جگ میں

اس رواج کو کریں اور کلجگ میں رو کے جاویں۔تم جانتے ہواس میں ادھرم زیادہ ہوتا ہے دھرم کم۔پھر دھرم بتا کے تم لوگ بیواؤں کو بغیر شادی بٹھار کھتے ہواور پھر صبر کی امید کرتے ہو۔

مہابھارت میں بھیشم نے کہا ہے کہ جیسا راجہ رہتا ہے ایسا ہی جُگ (عہد) ہوتا ہے۔اگر راجہ ظالم ہے تو کلجگ ہے،اگر مذہبی رہنما،انصاف پسند ہوتو ست جُگ ہے۔مسلمان زمانے کے وقت میں بیشک کلجگ تھالیکن اب شریمتی وکٹوریہ مہارانی کا راج ہے جس میں انصاف سورج کی مانند چمک رہا ہے۔جہاں انصاف ہے وہیں ست جُگ ہے، جہاں ظلم ہے وہیں کلجگ ہے۔اور کہیں (......)☆ ست جُگ کلجگ نہیں ۔جو لوگ ست جُگ میں اس رواج کو مانتے ہیں، انھیں چاہیے (..)☆ اور نہیں، جیسے مردوں کو بھی روکو۔کیا کلجگ عورتوں کے واسطے ہی بنا ہے؟

☆ پڑھا نہ جاسکا۔

نمبر 17

ایک بیوہ کا نہایت دردناک حال

ہندوستان میں کسی امیر کی ایک لڑکی تھی۔ نام اس کا پاروتی تھا۔ خوبصورتی میں پاروتی سے بھی بڑھ کر تھی۔ پانچ سال کی نہ ہونے پائی کی اس کی ماں مر گئی۔ باپ نے دو مہینے بعد دوسری شادی کر لی۔ جب وہ سات برس کی ہوئی باپ نے کسی امیر کا لڑکا تلاش کر، اس کی شادی کر دی۔ شادی کو دو مہینے نہ گذرنے پائے تھے کہ لڑکا چیچک کے مرض سے مر گیا۔ اس بیچاری کی تمام عمر خراب کر گیا۔ پاروتی کی اس قدر چھوٹی عمر دیکھ، ہر ایک کو بڑا رنج ہوتا تھا، مگر لڑکی خاوند کے نام سے بھی واقف نہ تھی۔

جو اس کو دیکھ کر روتا تھا یہ اس کے پاس تک نہ جاتی، بلکہ بڑی خفا ہو کر کہتی: ''میں نے تمھارا کیا بگاڑا ہے جو مجھے دیکھ کر روتی ہو؟'' بڑی خوشی سے ہنستی، کھیلتی، کھاتی، پھرتی تھی۔ رنج کا نام بھی نہ جانتی تھی۔

نہیں جانتی تھی کہ یہ مصیبت کا پہاڑ میرے ہی اوپر گرا ہے۔ یہ دکھوں کا گہرا سمندر میرے ہی آنے والے راستے میں لہرے مار رہا ہے۔

اس عرصے میں باپ کی دوسری عورت بھی مر گئی۔ چار مہینے بعد باپ نے تیسری شادی کر لی۔

لڑکی کی عمر اب تیرہ برس کی تھی۔ اب دیکھیے اس بڈھے کی عمر اور اس لڑکی کی۔

اٹھارہ سال اس نے اپنا دھرم سنبھالے رکھا۔ آخر لاچار۔ پرمیشور نے یہ چیز انسان، حیوان، نر، مادہ سب میں ایسی ہی پیدا کی ہے کہ کوئی آدمی اس سے چھوٹ نہیں سکتا، اور سوائے اس کے، اس جوانی میں اس کے جوش کو سنبھالا ہو۔ اس کے پیدا کرنے

کی یہی مراد تھی کہ دنیا زیادہ ہو۔ یہ اس کی مراد نہ تھی کہ ایک کے مرنے سے عورت یا مرد ساری عمر بغیر ایک دوسرے کے بیٹھا رہے۔

جب ساٹھ سال کا بوڑھا اپنی خواہشات کو نہیں روک سکتا تب یہ لڑکی جس کی جوانی نے آنکھیں اندھی کر دی ہیں، کب روک سکتی ہے؟ پھر کوئی ہتھیار نہ تھا اس کے پاس روکنے کو۔ نہ کچھ علم رکھتی تھی، نہ نیک اشراف کی صحبت۔ نہ حکیموں نے کوئی ایسی دوا ایجاد کی ہے۔ بس، باوجود خوف باپ کے کسی طرح کا ڈر نہ تھا۔

آخر ایک نوکر سے خراب ہوئی۔ لیکن اس کو خراب ہونا نہ کہنا چاہیے۔ آدمی کی بھوک اور رنج کے وقت صبر اور شرم دونوں رخصت ہو جاتی ہے۔ ایسے وقت اگر مہتر کا کھانا ملے وہ بھی روا سمجھتا ہے۔ کسی نے اس کے باپ کو خبر کی کہ فلانے نوکر سے تمہاری لڑکی خراب ہے۔ یہ عقل کا دشمن سنتے ہی آگ کی مانند بھڑک اٹھا۔ بیوقوف نے یہ نہ سمجھا کہ ساٹھ سال کی عمر ہوئی، چار شادیاں کیں، اور ابھی خواہش باقی ہے۔ تب یہ لڑکی جس نے خاوند کا منہ بھی نہیں دیکھا کیسے پارسا رہے گی؟ لڑکی کو بلا کر کہنے لگا، ''اے کمبخت، تو نے میری عزّت میں خاک ڈالی، خاندان کا نام ڈبویا، تیرا منہ دیکھنا مجھے گوارا نہیں، یا تو ہی اس دنیا میں رہے گی یا میں۔'' وہ بیچاری مرنے کا نام سن کانپ اٹھی، رونے لگی۔ ہائے اس سنگ دل باپ نے جس سے پدرانہ محبت بالکل کنارہ کر گئی تھی، ہم جنسی درد بھی جس کے دل میں نہ رہا تھا۔ دودھ میں زہر ملا لڑکی سے کہنے لگا: ''اسے پی لے''۔ روتی ہوئی لڑکی نے انکار کیا۔ پھر دوبارہ اس جلاد نے کہا اور زبردستی کرنی چاہی۔ جب لڑکی نے دیکھا کہ یہ ظالم نہیں مانے گا کانپتے اور روتے ہاتھ جوڑ کر اپنے آپ کو اس کے پاؤں میں گرایا اور بڑی عاجزی سے کہا: ''مجھے گھر سے نکال دو۔ کسی پہاڑ یا جنگل میں چھوڑ دو۔ وہاں میں آپ ہی مر جاؤنگی۔ مگر اس طرح کی موت سے مجھے معاف کر۔ میں پھر کبھی ایسا کام نہ کرونگی۔ ایک دفعہ معاف کر دے۔ کیا میں تیری وہ لڑکی نہیں جسے تم نے ماں کے مرنے کے بعد بڑی تکلیفوں سے پالا تھا؟ اب اپنے ہی ہاتھ سے اس کا کام تمام کرنا چاہتے ہو۔'' باپ نے جھڑک کر کہا: ''نہیں تو اب

میری لڑکی نہیں بلکہ میری دشمن ہے۔میں تجھے اس دنیا میں نہیں چھوڑونگا۔ بلکہ موت کے چنگل میں چھوڑوں گا۔"

جب اس نے اپنے جینے کی کوئی صورت نہ دیکھی تب کہا:"اچھا کل پیئو گی"۔

آخر خونی جوش نے ایک دن کی زندگی اس جلاد سے بخشوائی۔

صبح ہوتے ہی ہائے دنیا سے بے وقت جانے والی پاروتی اپنی سہیلیوں سے ملنے لگی! ہر ایک کے گھر جا کر ملتی اور یوں کہتی تھی:

ہو چکا آج جو کہ تھا ہونا
کل بساویں گے قبر کا کونا
دیکھ لو آج ہم کو جی بھر کے
کوئی آتا نہیں ہے پھر مر کے
کوئی دن ہم تو یاد آویں گے
آخر ہر کوئی ہم کو بھول جاویں گے
بے گناہ جاتی ہوں میں دنیا سے
جاکے آتی نہیں میں دنیا سے
پھر یہ صورت نظر نہ آئے گی
کوئی دم ہے کہ راکھ ہوئیگی
آج تم سے جدا میں ہوتی ہوں
ہائے اس نفس سے ہلاک ہوتی ہوں
چین دل کو نہ آوے گا تم بن!
یہاں کے بچھڑے نہیں ملے کوئی دن

"دیکھ لو پیاری بہنو! پھر میں تمھیں دکھائی نہ دونگی۔کوئی دن میں خاک کا ڈھیر ہو جاؤنگی۔یہی آخری ملاقات ہے۔" ہر ایک کے گلے سے لگ لگ کے روتی تھی۔جو کوئی رونے کا باعث پوچھتا باپ کے خوف سے خاموش ہو جاتی تھی۔تمام دن

رونے میں گذرا۔ گویا، یہ اس کے لیے قیامت کا دن تھا۔ جب رات ہوئی تب پھر وہ اس کا جانی دشمن باپ زہر کا پیالہ لے آیا۔ لڑکی نے پھر بھی انکار کیا۔ یہ زندگی ایسی عزیز ہے، انسان کو چاہے کتنی ہی تکلیف ہو، چاہے بیماری سے ناک میں دم آ جائے، تب بھی یہی کہتا ہے کوئی بچا لے، کوئی رکھ لے۔ یہ دنیا ایسی چیز ہے، چاہے ہزار برس اس کی لذتیں اٹھاویں پھر بھی مرنے کو طبیعت نہیں چاہتی، اور خاص کر کے جوانی میں تو پرمیشور کسی کو موت نہ دے۔ جب باپ نے دیکھا کہ یہ نہ پیئے گی تب تو دھمکا کر کہا: ''اگر یوں نہ پیئے گی تو میں اور طرح تیرا کام تمام کرونگا۔ تلوار سے، چھری سے، آج ہی گلا کاٹ دونگا۔''

لڑکی نے کوئی صورت اپنے بچنے کی نہ دیکھی۔ لاچار پی لیا۔ باپ کا کلنک چھوٹا۔ آپ موت کے بستر پر آرام کیا۔ باپ نے اور لوگوں میں مشہور کر دیا کہ لڑکی ہیضے سے مر گئی۔ کیا اس لڑکی کو کوئی بدمعاش کہہ سکتا ہے؟ نہیں بیشک بیوقوف تھی۔ اگر عقلمند ہوتی، سرکار میں اطلاع دے، دوسری شادی کر، تمام عمر آرام سے بسر کرتی۔ اگر بدمعاش ہوتی باپ کی محبت ہرگز نہ کرتی۔ فوراً گھر سے نکل امرتسر کے چکلے پر بیٹھتی۔

ہائے، اس بے رحم باپ کے دل میں پرمیشور کا خوف بھی نہ آیا! ایک اس کی خواہش کو روکا، دوسرے زہر دیا۔ پرمیشور کے سامنے کیا منہ دکھائے گا؟

یہ کتابی ذکر نہیں یہ ایک بڑے خاندان کی لڑکی کا حال ہے۔ آگے تو تمام ہندوستان میں ایسا کرتے تھے۔ مگر اب انگریزوں کے خوف سے ظاہر نہیں کر سکتے۔ اب بھی چوری چوری، جہاں تک جتنی پیش آتی ہے، کام ہی تمام کر دیتے ہیں اور ثابت تو جبریل آوے تو بھی نہیں کر سکتا کیونکہ ان کا بڑا بھاری دوست ہیضہ ہے جو پھانسی چڑھنے سے بچا لیتا ہے۔

نمبر 18

مرد کی ہر روز کی مار کھانے سے رانڈ رہنا اچھا ہے

آج کل کے زمانے میں جس کا ایک خاوند مر جاوے میری رائے میں اس کو دوسری شادی نہ کرنی چاہیے۔ مگر بد معاشی کرنے سے دوسری شادی بہتر ہے۔ شادی سے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ ایک تو بڑی بھاری خرابی ہے کہ پہلے خاوند کی اولاد کو دوسرا خاوند نہیں دیکھ سکتا جیسے سوت، سوت کی اولاد کو نہیں دیکھ سکتی۔ پھر جو پہلے خاوند کا روپیہ ہوتا ہے اسے بھی اس کے رشتہ دار چھین لیتے ہیں۔ اولاد اس سے بھی محروم رہتی ہے۔ پھر ان کی پرورش اچھی طرح نہیں کرتا، نہ ان کو اپنی اولاد کے برابر چاہتا ہے۔ بس، یہاں بھی سوا رنج کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ پھر اس زمانے میں ہزار میں دس ہونگے جو ایک دوسرے سے خوش رہتے ہوں، نہیں سب جوتی بازی کا تماشا پڑوسیوں کو دکھایا کرتے ہیں۔ پھر کوئی ایسا تاش نہیں ہو سکتا جو رنڈی باز، لونڈی باز، جوا باز نہ ہو۔ شادی کرنے کی خوشی تو اسی سے کافور ہو جاتی ہے اور دل جلانا پڑتا ہے۔ اگر کہو، نئے فیشن کے اچھے اشراف آدمی ہیں، بیشک ہیں۔ پھر تمہیں کیا؟ ان کی تو انگریزی لیڈی منظورِ نظر ہے۔ جہاں بی اے پاس کر، ایم اے پر پہنچے پھر کالی عورت کس کو پسند آتی ہے؟ پھر تو لندن کو ہر وقت تار جاتا ہے۔ جب تک لندن میں تعلیم نہ پاؤ، بدن کی سیاہی دور نہ کرو، نئے فیشن کے منظورِ نظر کب ہو سکتی ہو؟

پھر شادی کرنے سے اپنے اختیارات دوسرے کے اختیار میں دینے پڑتے ہیں۔ جب آپنے جسمی اختیار دوسرے کو دیئے تب دنیا میں اپنی کیا چیز باقی رہی؟ اگر اس دنیا میں کچھ خوشی ہے تو انھیں کو ہے جو اپنے تئیں آزاد رکھتے ہیں۔ ہندوستانی عورتوں کو تو

آزادی کسی حالت میں نہیں ہوسکتی۔ باپ، بھائی، بیٹا، رشتہ دار سبھی حکومت رکھتے ہیں۔ مگر جس قدر خاوند ظلم کرتا ہے اتنا کوئی نہیں کرتا۔ لونڈی تو یہ ساری عمر سبھی کی رہتی ہے پر شادی کرنے سے تو بالکل زر خرید ہو جاتی ہے۔ اس دنیا میں چاہے بادشاہت کی نعمت ملے اور آزادی نہ ہو، جہنم کے برابر ہے۔ آزادی میں چاہے تین دن بعد روٹی ملے جنت سے بھی زیادہ آرام ہے، جیسا راماین میں لکشمن نے کہا ہے، ''پرادھین سپنیہوں سکھ ناہی، آنکھ پسار دیکھ جگ ماہی۔'' یعنی غلام آدمی کو خواب میں بھی آرام نہیں مل سکتا ہے۔

نمبر 19

آج کل عورتوں کی گذران

پہلے تو خاوند کی ماں بہن ہی چین نہیں لینے دیتیں۔ ہر وقت طعنے دیا کرتی ہیں۔ یہ دوواہتا نہیں دھریل ہے۔ ایسی بہت پھرا کرتی ہیں۔ جس نے ایک کے مرنے سے دوسرا کیا اس کا کیا اعتبار ہے؟

واہ ری عورت تیرا دیدہ، ایک مرا تو کیا دوجا
جب عورت ایک سے پھنسی، جیسے ستر ویسے اسی

پھر تمام گھر کی خدمتیں کرے تب روٹی کھانے کو ملتی ہے۔ اگر خاوند حقہ پیتا ہو تو تین بجے اٹھ کر حقہ بھرنا ہوگا۔ چاہے کتنی ہی سردی پڑتی ہو مگر تمہیں ضرور اٹھنا ہے۔ اگر لالہ صاحب کہیں نوکر ہوں تو نو بجے کھانا تیار کرنا پڑے گا۔ وہ کھانا کھا کر دفتر کو جاتے ہیں یا اپنے اور کسی کام کو۔ اب اپنا حال سنیئے۔ دو چار لڑکے اپنے، دو چار پہلے، کوئی روتا ہے، کوئی روٹی مانگتا ہے، کوئی میلے میں لساپڑا ہے۔

تین گھنٹے انھیں کی خدمت میں لگ گئے۔ ابھی تک اپنے نہانے کھانے کی کچھ خبر نہیں۔ اتنے میں ایک بجا۔ اب جھٹ پٹ اٹھ دو ایک لوٹا پانی اوپر ڈالا۔ پاؤں سوکھے ہیں، پیٹھ بھیگی ہی نہیں، آنکھیں صفا ہوئی ہی نہیں۔ جلدی سے اٹھ ایک آدھی روٹی بڑے بڑے لقمے کھائے۔ مارے جلدی کے حلق میں اٹکتے جاتے ہیں۔ آنکھیں نکلی آتی ہیں۔ ادھر مارے خوف کے کلیجہ دھڑک رہا ہے۔ اگر تین بجے آتے ہی کھانا تیار نہ ہوا تو خدا جانے کیا حال کریں۔ کھانا ہو رہا ہے، اتنے میں لالہ صاحب بھی آ پہنچے۔ دو چار گالیاں دیں۔ دو ایک لات ماری۔ جھڑک کے بیٹھ گئے۔ بیوی مارے ڈر

کے حقہ بھر لائی۔ پنکھا ہلانے لگی۔ پاؤں دبانے لگی۔ آپ کھانا کھا، سیر کو گئے۔ تمھیں پھر وہی لڑکوں کی خدمت۔ اب دروازہ کھولے انتظار کر رہی ہے۔ کب آوے، کب آرام کرے۔ دس بج گئے ہیں، نیند آرہی ہے مگر ضرور دروازہ کھولے بیٹھی رہو۔ گیارہ بارہ بجے آپ تو آئے نہیں، تمام رات جاگنا پڑا۔ اگر اس حالت میں کچھ کہہ بیٹھی تو وہی حالت کیا جیسا چوروں کا کوتوال کے حکم سے مہتر کرتے ہیں۔ اور بہت تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ یہ صرف ظاہری باتیں ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ غریب گھروں میں یہ حالت ہوتی ہے۔ امیر گھروں میں نہیں، ہندوستان میں بادشاہ امیر غریب عورتوں کے حق میں سب ایک ہی موافق ہیں۔

آدمی کو نہ چاہیے کہ ایک چاہت کے پیچھے سارے حواس کو جسم سمیت تکلیف میں ڈالیں۔ یہ لکھا ہے۔ جہاں ایک گاؤں کے پیچھے ریاست کو تکلیف ہو اسے چھوڑ دیں۔ جہاں کٹمبھ (خاندان) کے پیچھے گاؤں کو دکھ پہنچے اس کٹمبھ کو چھوڑ دیں جہاں ایک دوست کے پیچھے خاندان کو تکلیف ہو تو ایسے دوستوں سے دوری اختیار کریں۔ جہاں ایک عضو کے پیچھے سارا جسم تکلیف میں پڑے ایسے جز کو کاٹ دیں۔

پھر شہوت ایسی خراب ہے گویا تمام تکلیف اس سے پیدا ہوتی ہیں۔ جب یہ اندری (حواس) اپنی طرف کھینچتی ہے آدمی عقلمند بھی بیوقوف بن جاتا ہے۔ آنکھوں سے دیکھتا ہوا اندھا ہو جاتا ہے۔ کانوں سے سن کر بھی بہروں کی مانند بن جاتا ہے۔ جس عیب کے نہ کرنے کو اوروں کو نصیحت کرتا ہے اس وقت خود وہی کام کرتا ہے؛ جن کاموں کو یہ غلیظ خیال کرتا ہے اس کے جوش میں خود غلیظی کی تصویر بن جاتا ہے؛ چاہے کتنا ہی طاقت ور ہو کمزور ہو جاتا ہے۔ اسی کے پیچھے سب کی غلامی کرتا ہے۔ اسی کے پیچھے دنیا سے بغیر موت چل دیتا ہے۔ اسی کے پیچھے اپنی عزت کا کچھ خیال نہیں کرتا۔ اسی کے پیچھے اپنا تن من دھن لٹا سب کا محتاج بن جاتا ہے۔ چاہے بادشاہ ہو، شہوت پرست سب کا غلام بنے گا۔ اسی ایک کے ماتحت ہونے سے سب کا غلام ہوتا ہے۔

یہ انسان کا بڑا بھاری دشمن ہے۔ جہاں تک ہو سکے اس خواہش کو روکے کہ

جتنی خوشی اس کو روکنے میں ہے اتنی اس کو پورا کرنے میں نہیں۔ جب آدمی اس کو قابو میں کرتا ہے۔چہرے پر رونق،روح میں حوصلہ،بدن میں طاقت،چال چلن میں صفائی،دنیا میں عزت بڑے بڑے رشی منیوں نے اسی کو قابو میں کرنے سے پرمیشور کو پایا ہے اور اسی کے قابو کرنے سے دوسرے بر ہمہ چاری بر ہمہ کو پہچانتے ہیں۔اسی کو قابو کرنے سے طالبِ علم،علم کے کمال کو پہنچتے ہیں۔اسی کو قابو کرنے سے آسمان میں اڑنے کی طاقت لکھی ہے۔اسی کے قابو کرنے سے دوسروں کو بس میں کر سکتا ہے۔اسی کے قابو کرنے سے اوروں کے دل کا حال معلوم کر سکتا ہے۔اسی کو قابو کرنے سے عمر زیادہ ہوتی ہے۔حافظہ قوی ہوتا ہے۔غرض کہ تمام دنیا کی خوشی اس کے قابو کرنے سے ملتی ہے۔اگر کوئی کہے شادی کیے بغیر دنیا کی لذت نہیں ملتی،بس جس میں ایک آرام ہزار تکلیف ہو،اس سے درگذر کرنا چاہیے۔

دیکھو!پرانی کتابوں میں لکھا ہے۔اگر تیری آنکھیں تجھے ٹھوکر کھلاویں اسے نکال ڈال۔اس سے اندھا ہونا اچھا ہے کہ دونوں آنکھیں رہتے تیرا سارا بدن جہنم کی آگ میں جلایا جاوے۔اگر تیرا ہاتھ تجھے ٹھوکر کھلاوے کاٹ ڈال کہ اس کا ٹوٹا ہونا اچھا ہے کہ دونوں ہاتھ رہتے تیرا سارا بدن جہنم میں پڑے۔اگر پاؤں تجھے ٹھوکر کھلاوے اسے کاٹ ڈال کیونکہ لنگڑا رہنا بہتر ہے کہ دونوں پاؤں رہتے سارا بدن جہنم میں جاوے۔

تم نے خوب دیکھا ہوگا،جب کسی عورت کا خاوند مر جاتا ہے،دو چار مہینے بعد چاہے کتنا ہی غم کرتی ہو،اس میں ایک طرح کی چالاکی ہوشیاری آجاتی ہے۔پھر کچھ دن بعد اس کے چہرے پر ایک قسم کی چمک آزادی کی ظاہر ہوتی ہے جو کہ خاوند والیوں کے چہرے پر نہیں ہوتی۔اس کو بھی لوگ ایک طرح کا عیب سمجھتے ہیں۔کہ رانڈ کو رنڈاپا چڑھتا ہے۔تم خود غور کرنے سے سوچ سکتی ہو کہ رنڈاپا کیا چیز ہے۔طاقتوں کا ضائع نہ ہونا اسی کا نام رنڈاپا ہے۔اور یہ بھی لوگوں میں مشہور ہے کہ رانڈیں سانڈ ہوتی ہیں۔انھیں موت نہیں آتی۔ان کی دونی عمر ہو جاتی ہے۔خاوند کی باقی عمر بھی انھیں

لوگوں کو لگ جاتی ہے۔

حقیقت میں یہ بات سچ ہے۔ رانڈیں کم مرتی ہیں مگر وہی جو شہوانیت پر قابو پاتی ہیں، وہ نہیں جو خود اس کے قابو میں ہو جاتی ہیں۔

پہلے جوش میں آ کر شادی کر لیتی ہیں۔ مگر پیچھے ہر ایک کو روتے ہی دیکھا۔ افسوس آتا ہے ان کی عقل پر! جب ایک دفعہ اس کام میں دکھ اٹھایا، پھر دوبارہ اپنے اوپر ہی بلا لائی۔ دوسری شادی کرنے کی خواہش کرنے والیوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہمیں بھی شادی کرنے کے پیچھے انھیں کی مانند رونا پڑے گا۔ جہاں ہزار لاکھ کروڑ کو ٹھوکر کھاتے دیکھا، ہم کو نہ چاہیے کہ ہم بھی اندھوں کی موافق اپنے تئیں گرا دیں نہیں بلکہ دیکھ کے قدم رکھ، اس کو جیت لیں۔

بس، اس آزادی کو غنیمت سمجھ، اپنے تن من دھن کو نیک کام میں لگاؤ۔ اس میں صرف ایک حس کو خوشی ہوگی اور اس میں اپنے روح کو سکون اور غیروں کی حواس، لذت پا کر دعا دیں گی۔

ہے پیاری بہنو! وہی کام کرو جس سے تمہیں اس دنیا میں خوشی ملے۔ بڑے بھاری دکھوں کی جڑ شہوت ہے۔ پہلے شہوت کو روکو۔ اس کے روکنے کی یہ اچھی تجویز ہے کہ جب اس کا خیال پیدا ہو تب اس کے دکھوں کا خیال کرو۔

بہت کھانے سے سستی پیدا ہوتی ہے۔ ست بیٹھنے سے بد خیال پیدا ہوتے ہیں۔ بس ست کبھی مت بیٹھو۔ چاہے کتنا ہی بڑا مضبوط دل ہو جو بدوں کی صحبت میں بیٹھے گا وہ ضرور بدی کرے گا۔ اگر خود نہ کرے گا تو بدی کرنے والوں کو بھی برا نہ کہے گا۔ اگر چہ دور سے سانپ نہیں کاٹ سکتا پر پھنکار سے بھی ڈر معلوم ہوتا ہے۔ عالم کے پاس جانے سے آدمی میں علم پیدا ہوتا ہے۔ احمق کے پاس جانے سے برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں جیسے دریاؤں کا میٹھا پانی سمندر میں جانے سے کھارا ہو جاتا ہے۔

☆☆☆

نمبر 20

رانڈوں پر ستم

ہندوستان میں جب کسی عورت کا خاوند مرتا ہے اس بیچاری کی بہت بری حالت کرتے ہیں۔مگر پنجاب میں یہ دستور نہیں ہے۔ہندوستانی عورتوں کا حال لکھتی ہوں۔
سب قوموں میں کایستھوں کی قوموں میں بہت سخت دستور ہے۔جس وقت خاوند کا دم نکلتا ہے اسے بھی یم دُوت (موت کا فرشتہ) لینے آتے ہیں۔وہ تو دنیا کے دکھوں سے چھٹاتے ہیں پر یہ دنیا کے دکھوں میں ڈال،مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپاتے ہیں۔اسی وقت دو چار نائنیں آ چمٹتی ہیں۔رشتہ داروں میں سے کوئی نزدیک نہیں آتی۔بس، بہت بری طرح سے اس کا زیور اتارتی ہیں۔چاہے بانہہ میں زخم ہو مگر کانچ کی چوڑیاں پتھر سے پھوڑی جاتی ہیں اور کان، ناک، گلے، بانہہ، پاؤں میں سے سب کھینچ کا جھٹ پٹ اتار لیتی ہیں۔چاہے سات برس کی لڑکی ہو، خاوند کا نام بھی نہ جانتی ہو، اس وقت اس کا بھی رحم نہیں کرتیں۔پھر جب مردے کو اٹھا لے جاتے ہیں اسی وقت پیچھے پیچھے دریا پر نہلانے کو لے جاتی ہیں۔کہ سب عورتوں سے الگ پچاس قدم کے فاصلے پر دو نائنیں ساتھ چلتی ہیں۔ایک نائین آگے راستہ بچاتی جاتی ہے کہ کوئی خاوند والی اس کا سایہ نہ لے، نہ اس کا منہ دیکھے۔ان کے خیال میں ہے کہ جو رانڈ کا سایہ لے گی وہ بھی رانڈ ہو جائے گی۔اس وقت چاہے سگی ماں بہن ہو پر چھاواں تو لینا درکنار، اس کے سایے کو بھی نہیں دیکھتیں۔اسی حالت میں منہ لپیٹے دریا تک جاتی ہیں۔دریا یا تالاب پر سب سے دور جگہ، یعنی پانی میں جا کر دھکہ دے دیتی ہیں۔چاہے سر پھوٹے چاہے منہ۔کپڑوں سمیت جب تک سب نہیں نہا لیتیں یہ پانی میں

پڑی رہتی ہے۔ جب سب نہا کر روانہ ہوئیں، یہ انھیں گیلے کپڑوں سے اسی موافق سب کے پیچھے گھرلائی جاتی ہے۔ چاہے ہمالیہ کی برف پڑتی ہو دوسرا کپڑا ہرگز نہیں ملتا۔ انھیں گیلے کپڑوں سمیت الگ ایک گوشے میں بٹھا دی جاتی ہے۔ ہلاک کرنے میں کچھ قصور نہیں رہتا۔ اس تکلیف سے ستی ہونے کا اچھا رواج تھا۔ تڑپا کر مارنے سے بہت عورتیں مر جاتی ہیں۔ اسی حالت میں دماغی توازن ختم ہو جاتا ہے۔ میں نے خود اس حالت میں ایک عورت کو مرتے دیکھا ہے۔

آگرہ میں ایک عورت خاوند کے مرنے سے پہلے کچھ بیمار تھی۔ جب خاوند مرا کمزوری کے باعث دریا پر نہ جا سکی۔ اس کی ساس نے الگ اس کی کھاٹ ڈال دی۔ بھشتیوں کو بلا کر مشکیں اس پر چھڑوائیں اور آپ سب دریا پر چلی گئیں۔ پیچھے اسی حالت میں اس کا دم نکل گیا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ یہ مر گئی خوشی سے مشہور کیا سچی ستی تھی۔ خاوند سے بڑا پیار تھا۔ بہت اچھی اشراف عورت تھی۔ خاوند کے پیچھے جینا نہیں چاہتی تھی۔

خوب ستی تھی، اپنے ہاتھ سے مار دیویں اور لوگوں میں ظاہر کریں خود ستی ہوئی! مجھے ایک دن ایک ماتمی کے گھر جانے کا اتفاق ہوا۔ جب مردے کو اٹھا کر لے گئے سب دریا پر نہانے چلیں۔ دریا شہر سے تین کوس کے فاصلے پر تھا اور موسم بھی عین گرم آشاڑھ کا مہینہ (پنچانگ کا چوتھا مہینہ) تھا۔ وہاں سے واپس آتے قریب تین بجے سب کا مارے پیاس کے دم نکلتا تھا۔ راستے میں سب نے پانی پیا مگر جس کا خاوند مرا تھا وہ مارے شرم کے پانی نہ مانگ سکی۔ اگر پانی مانگتی بڑی کٹر کہلاتی، بڑی بدنامی ہوتی، بلکہ غم نہ کرنے کا الزام اس پر لگایا جاتا۔

مارے پیاس کے اس کا گلا خشک ہوا جاتا تھا۔ قدم اٹھا نہیں سکتی تھی۔ آنکھیں نکلی آتی تھیں۔ ادھر نائنیں جانور کی مانند گھسیٹے لئے جاتی تھیں۔ تھوڑی ہی دور چلی ہوگی کہ غش کھا کر زمین پر گر پڑی۔ نائین اور سب عورتیں دور کھڑی ہو کر تسلی کے طور پر کہنے لگیں؛ ہوش کرو، سب کے ساتھ ایسی ہوتی آئی ہے۔ نہ دو ساتھ پیدا ہوئے نہ دو

ساتھ مرتے ہیں۔بس صبر کرنا چاہیے۔گھر بہت دور ہے،جلدی چلو۔" نائنیں پھر اٹھا لے چلیں مگر پانی کسی نے منہ میں نہ ڈالا۔اب پیاس کے مارے تڑپنے لگی مگر پانی اب بھی شرم سے نہیں مانگتی۔

اور وہاں کس کی طاقت تھی جو اس کے واسطے پانی لائے کیوں کہ بڑی بڑی تجربے کار بزرگ عورتیں بیٹھی تھیں!

آخر ایک عورت نے جو اس بات کو خوب جانتی تھی بڑی جرأت سے اٹھ کر پانی چھپا کر اس کے پاس گئی۔بس میں اس وقت کی حالت کا بیان نہیں کر سکتی جیسی اس کی پانی دیکھ کر ہوئی تھی۔جیسے آدمی جلاد کے ہاتھ سے اپنے بچانے والے کو دیکھ کر بھانپتا ہے۔اسی طرح اس نے اس کو پہچانا بھی نہیں،دوڑ کر ہاتھ سے پانی چھین لیا اور پی گئی۔پانی پیتے ہی بدن میں جان آئی۔آنکھیں کھولیں۔گھبرا کر اس کے پاؤں میں سر دھرا۔اور بڑی عاجزی سے کہا:" اے بہن، میں تیرے احسان کو کبھی نہ بھولونگی،تو نے میری گئی ہوئی جان کو پھر بدن میں ڈالا۔اس وقت تو میرے واسطے دوسرا پرمیشور ہوئی ہے۔مگر جس طرح تم نے یہاں سے میری جان کو بچایا میں امید کرتی ہوں کہ لوگوں کی بدنامی سے بھی میری جان کو بچاؤ گی۔اگر کوئی جان لے گا کہ اس نے دن میں پانی پیا۔مجھے بہت برا کہیں گے۔بس، میں چاہتی ہوں کہ آپ کسی سے اس کا ذکر نہ کریں۔" اس بی بی نے بہت تسلی دے کر کہا:" آپ خاطر جمع رکھیں۔میں کسی سے ذکر نہ کرونگی۔" یہ سب ہندنیوں میں دستور ہے کہ جن کا کوئی مرتا ہے وہ تیرہ دن تک نہ دن میں کھانا کھاتے ہیں نہ پانی پیتے ہیں۔جس کا خاوند مرتا ہے اسے سال بلکہ چار سال تک ایسا کرنا پڑتا ہے۔اور نزدیک کے رشتہ دار بھی کچھ دن تک ایسا کرتے ہیں۔

پھر جب وہ الگ کونے میں منہ ڈھک کر بٹھا دی جاتی ہے اس کے پاس کوئی نہیں جاتی، نہ ہی اس سے بات کرتی ہیں۔دن بھر اسی جگہ بیٹھی رہتی ہے۔رات کو جب سب عورتیں اپنے گھر چلی جاتی ہیں، اسے تب بھی اگر گھر میں ساس نند والی ہو تو بیٹھے بیٹھے اپنے ضروری کاموں کو جاتی ہے۔پھر وہی کونے میں رات کو پڑی رہتی ہے۔دو

ایک ناننیں اگر روپیہ ہوا تو اس کے ساتھ رہتی ہیں، نہیں بیچاری اکیلی اس سوگ کی ناؤ کھینچتی ہے۔ اس وقت اس بیچاری پر دو آفتیں آتی ہیں۔ ایک خاوند کی جدائی کا غم، دوسرا ان بے رحمیوں کا غم۔ اگر مرتی نہیں تو زندوں میں بھی نہیں رہتی۔

اس وقت اسے آنکھ پسارنے سے دنیا میں کوئی تسلی دینے والا نظر نہیں آتا ہے۔ سگی ماں بہن نزدیک تک نہیں آتیں۔ بیوہ عورتیں اپنے جیتے جی اس حالت کو دیکھ لیتی ہیں جو آدمی کے مرتے وقت ہوتی ہے۔ جیسے اس وقت جو گذرتی ہے اپنی ہی جان پر، دوسرا کوئی ساتھی نہیں ہوتا، ویسے ہی اس وقت جو بیتتی ہے۔ اپنے ہی اوپر۔ جیسے بیماری کے وقت اپنے دل کا درد آپ ہی سہارتا ہے۔ ویسے اس بیماری کو یہ آپ ہی جھیلتی ہیں۔

کیا تعجب کی بات ہے، چاہیے ایسے وقت تسلّی کرنا، نہ کہ دو چند رنجیدہ کرنا۔ اور یہ کہہ کہہ کر اس کا غم زیادہ کرتی ہیں۔ ماں کہتی ہے: ''میرے سامنے مشعل جل رہی ہے، چِتا سلگ رہی ہے، بھلا مجھ سے کب دیکھی جائے گی۔'' ساس کہتی ہے: ''میرے سامنے سانپنی نے میرے لڑکے کو ڈس لیا۔ اب لہرا رہی ہے۔ اس کم بخت کو موت نہ آئی۔ بھاڑ میں جھونکوں اس بہو کو جس نے خاندان کی عزت مٹی میں ملا دی۔ میرے سامنے سے دور لے جاؤ۔ مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔'' اس وقت ماں باپ، ساس سسر سب پرمیشور سے یہی دعا مانگتے ہیں کہ یہ لڑکی کسی طرح مر جائے۔

ہائے، کیا جہالت کا پردہ ہندوؤں کی عقل پر پڑا ہے۔ جس بچے کو آپ تکلیفیں اٹھا، محنت سے پالتے ہیں، ایک بے رحم خراب رسم کے پیچھے خود اس کے مرنے کی پرمیشور سے دعا مانگتے ہیں!

اور رشتہ دار جو ماتم پرسی کو آتی ہیں، کہتی ہیں: ''بس، اب رام رام کیا کرو۔ اب دنیا سے تمھیں کیا کام ہے؟'' ساس سے کہتی ہیں: ''تمہارے گھر اس بہو کے ایسے سبز قدم آئے۔ جوان لڑکا کھا لیا۔ اس سے تمھارا بڑھاپا خراب ہوا۔'' بیوقوف اتنا بھی نہیں سمجھتیں کہ بڑھاپا تو دو چار سال کا ہے، اس کو تو ساری عمر رونا پڑے گا۔

لاچار ہو اگر وہ غم کے مارے روتی ہے یا اپنا سر پیٹتی ہے تو اسے کہتی ہیں: ''اری کیسی بے شرم ہے! بڑوں کے بیٹھے اس کو خصم (شوہر) کے رونے سے کیا مطلب؟ کیا دنیا میں اور رانڈیں نہیں ہیں؟ یہی انوکھی رانڈ ہوئی ہے! خصم کو روتے شرم بھی نہیں آتی۔''

دنیا میں جب ہم پر پہلے پہل کوئی آفت آتی ہے تو ہمیں انوکھی ہی معلوم پڑتی ہے۔ آرام میں مصیبت کا آنا وہی جانتا ہے جس پر گذرتی ہے۔ پھر مصیبت بھی کیسی کہ تمام خوشیوں کو ایک دم میں بہا لے جاتی ہے۔

مانا ہم نے کہ عورت کو خاوند کے مرتے جیتے کسی طرح کا آرام نہیں مگر روٹی کپڑا تو برا بھلا ملتا ہے، بیوا کو تو اپنے پیٹ کی ہی فکر چین نہیں لینے دیتی۔ غم کی حالت کو وہی جانتی ہے جس پر بیتی ہو، وہ نہیں جان سکتا جس نے خواب میں بھی غم نہیں دیکھا۔ یہ مثل مشہور ہے: ''جس کے پاؤں نہ ہو بوائی، وہ کیا جانے پیر پرائی!''

گیارہ دن جسے ہندوا یکادشا کہتے ہیں اسی طرح سب عورتیں اور وہ سب کے پیچھے دریا یا تالاب پر جاتی ہے۔ اسی دن کریہ کرائی جاتی ہے۔ مہابرہمن جو صرف اسی دن آتے ہیں، جیسے پولیس سرکاری جرم والے کو نہیں چھوڑتی ویسے یہ بیچاری بیوہ کو جب اپنی خاطر خواہ نہیں پاتے، اٹھنے نہیں دیتے۔ چاہے تین دن وہاں ہی بیٹھے گذر جائیں، چاہے سات سال کی لڑکی ہو، بھوک سے دم نکل جائے، یہ سنگ دل اس کو بھی دِق کرتے ہیں۔ امیر تو خیر دیتے ہی ہیں پر جن کے پاس ایک دن کا کھانا بھی نہیں ہوتا، وہ بھی قرض کر کے ان کا ٹیکس دے کر منہ جھلساتی ہیں۔

پھر تیرہ یا سترہ دن بعد جب برہمن مردے کا گوشت بیوہ کا خون پیتے ہیں اسے برادن کہتے ہیں۔ حقیقت میں برادن ہی ہوتا ہے۔ اسی دن پروہت جی آ چمٹتے ہیں۔ ان کو جب تک منہ مانگا نہ ملے وہ جنت کا دروازہ کھلنے نہیں دیتے، نہ پتروں سے ملاقات ہونے دیتے ہیں۔ بیچاری قرض کر، مکان رہن رکھ، ان سب کا منہ جھلستی ہے۔ نائی، نائین، کہار، دھوبی، باری، مہتر ان سب کو بھی کچھ معاوضہ دینا پڑتا ہے۔

ان سب سے فرصت نہیں پاتی کہ اتنے میں قرض دار دستک دیتے ہیں۔ اس بیچاری کو چار دن گھر میں بیٹھ کے غم بھی کرنے نہیں ملتا۔ اسی حالت میں محنت مزدوری کو نکل پڑتی ہے۔ آپ فاقہ کر، چکی پیس، ان کا قرض اتارتی ہے۔

ہندوستان کی عورتیں پیدا ہونے سے مرنے تک سوائے غم کھانے اور دل جلانے کے کسی طرح کا آرام نہیں پاتیں۔ خاوند کی زندگی میں ان کی بدفعلیوں سے دل جلتا ہے، مرنے کے بعد یہ خرابیاں۔ اور وہ زندگی میں رنڈی و لونڈوں سے مزے اڑاتے تھے اور مرنے کے بعد اس کریا کے پنیہ سے (ایصالِ ثواب کے ذریعے) اپسراؤں میں آرام کرتے ہوں گے۔ دونوں طرح یہی مرتی ہے:

گئے دونوں جہان کے مزے سے تم — نہ ادھر کے ہوئے نہ ادھر کے ہوئے
نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم — نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے ہوئے

پھر اسی دن سب کنبے کے لوگ مل کے اس کے آگے برادن ڈالتے ہیں۔ یعنی زیور، کپڑا، روپیہ جو اس کی گذران کے لائق ہو جاتا ہے، ماں باپ، بھائی، ساس سسر کو بھی اس وقت کچھ دینا پڑتا ہے۔ بہت لوگ اس رسم کو ناپسند کرتے ہیں، اس میں ایک خرابی ہے۔ جب انھیں رشتہ داروں میں سے کسی کی رانڈ ہو تب اس کو وہ روپیہ بطور قرض لینے کے زبردستی دیا جاتا ہے۔

میرے نزدیک یہ بہت اچھا رواج ہے۔ ناپسند کرنے والوں کو چاہیے رشتہ داروں کا روپیہ نہ لینے دیں۔ مگر ماں، باپ، بھائی، ساس، سسران سے زبردستی دلانا چاہیے۔ زیور کپڑا نہ دیں۔ روپے کو کسی بینک یا کسی صرّافہ کی دکان پر جمع کرایا جاوے جس کے سود سے بیوہ ساری عمر اچھی گذران کر سکے۔ اس میں کوئی خرابی نہیں بلکہ ایک طرح کا ثواب ہے۔ افسوس ہے ان کی عقل پر جو عورتوں کے واسطے اور کچھ نہ تجویز کر اس کو برا کہتے ہیں! پھر تین پاکھ یعنی ڈیڑھ مہینے بعد گنگا جی لے جاتے ہیں۔ اس کے پہلے گھر میں کوئی اس کا منہ نہیں دیکھتا۔ چاہے امیر ہو یا غریب مگر گنگا جی جانا ضرور پڑتا ہے۔ جو کسی سبب سے نہیں جا سکتیں وہ دریا یا تیرتھ پر جاتی ہیں۔ پھر بھی اسی طرح

نائنیں یا جس عورت کا خاوند نہ ہو لے جاتی ہیں۔ بہت ہی صبح سب کے اٹھنے سے پہلے ہی وہی کپڑے پہن کر جو خاوند کے مرتے وقت پہنے تھی، منہ لپیٹ نائین اسی طرح گنگا جی میں دھکہ دے دیتی ہے۔ کپڑے دریا میں چھوڑ دیے جاتے ہیں۔ اور کپڑے پہن کر اسی طرح گھر چلی آتی ہیں۔ ہندوستان میں اسے پلّہ اتارنا کہتے ہیں۔ یہ دستور تمام ہندوستان کی سب قوموں میں ہے۔

اس کا مطلب میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ بیوہ ہوتے وقت عورت مرد کا کپڑا باندھ دیا جاتا ہے، وہ آج سے چھوٹ گیا۔ تین پاکھ کی میعاد پوری کر، پہلے خاوند سے پلّا چھٹالیا۔ اب اس کا یا اس کے رشتہ داروں کا اس عورت پر کچھ حق نہ رہا۔ پھر اسی دم گنگا کے پروہت آجاتے ہیں اور اپنے ساتھ ایک نائی بھی رکھتے ہیں یعنی بیوہ عورت کا سر منڈانے کو۔ جو لڑکی عمر میں چھوٹی ہوتی ہے یا اس کے ماں باپ زندہ ہوتے ہیں، ان کا سارا سر نہیں مونڈا جاتا۔ ایک لٹ اتار کر گنگا میں ڈال دیتے ہیں۔ بیچاری بیوہ اس رسم نکالنے والے کی جان کو روتی جاتی ہے اور سر منڈاتی ہے۔ وہاں بھی پروہت جی کو سر منڈائی ٹیکس دینا پڑتا ہے۔ پنڈ اور کھانا کپڑا بھی ضرور دینا پڑتا ہے چاہے ریل کے خرچ کو ادھار لینا پڑے۔ یہ پنڈ تب گنگا میں ڈالتے ہیں جب غریبوں سے دو چار روپے رکھوا لیتے ہیں۔

سر منڈانے کا مطلب ضبطِ نفس کرنا، یعنی سہاگ کا شرنگار، کپڑا، بال وغیرہ سب ترک کر دینا فقیروں کی مانند گذارا کرنا ہے۔

کیا بیوقوفی ہے! اصل حقیقت نہ سمجھ، اس کو بھی رواج میں داخل کرلیا ہے۔ یہ ان کے واسطے چاہیے جن کی کچھ عمر شادی میں گذری ہو۔ میری رائے میں تو جس کی مرضی ہو وہ ایسا کرے۔ زبردستی کسی سے ایسا کرانا نہیں چاہیے۔ خاص کر جن عورتوں نے خاوند کا منہ بھی نہیں دیکھا ان سے تو ایسا کرانا بڑا بھاری پاپ ہے۔ بلکہ ان میں سے جو ایسا کرنا چاہے ان کو زبردستی روکنا چاہیے۔

پھر گھر میں آکر ایک سال برابر کسی کے گھر، وواہ شادی میں یا کسی اور جگہ

کہیں باہر نہیں جاتی۔ جن کے بھائی باپ زندہ اور تھوڑی عمر ہوتی ہے انھیں پھر زیور پہنادیا جاتا ہے۔ چوڑی، بچھوا، نتھ سب سہاگ کے چیزیں پہنادی جاتی ہیں۔

جب رانڈ ہی ہونے سے زیور اتارا گیا، معلوم نہیں پھر کون سا دوسرا سہاگ چڑھتا ہے؟ جب نتھ، چوڑی، بچھوا ہی سہاگ کی نشانی ٹھہری، میری سمجھ میں نہیں آتا یہ کون سے سہاگ کی نشانی ہے؟

اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ ماں اپنی بیوہ لڑکی کو ضرور ہی زیور پہنائے رکھتی ہیں۔ جو نہیں پہنتی اسے برا کہتی ہیں۔ اگر کوئی ان سے سوال کرے کہ اب اس کا خاوند مر گیا پھر کیوں زیور پہناتی ہو، جواب دیتی ہیں: ''بھلا اس نے دنیا میں آکر دیکھا ہی کیا ہے! ہمارے آگے نہ پہنے تو کب پہنے گی؟ اتنی پہاڑ عمر اسی طرح کیونکر کٹے گی اور ہم سے ننگی بچی کب دیکھی جائے گی؟ یہ کبھی ہو سکتا ہے ہم پہن اوڑھ کر بیٹھیں اور یہ ہمارے سامنے من مار کے بیٹھے؟''

واہ ری سمجھ! کوئی پوچھے ان سے جب آپ پلنگ پر گرم ہوتی ہیں اس وقت لڑکی کے من کا کیا بندوبست کرتی ہو؟ سچ ہے، زیور بن نہیں دیکھی جاتی خاوند بن دیکھی جاتی ہے۔ خاوند بنا عمر کٹ جائے گی زیور بنا کٹنی بڑی مشکل ہے۔

واہ ری جہالت کی الٹی سمجھ! اصل بات کو کیا پردے میں چھپالیا ہے؟ ان سب باتوں سے صاف یہاں مطلب نکلتا ہے۔ جس کے ماں باپ زندہ ہوں، چھوٹی عمر ہو، لڑکی کو تکلیف میں نہ دیکھ سکیں۔ دوسری شادی کر دیں۔ یعنی اپنی زندگی میں جیسے اس کو زیور بغیر من مارے نہیں دیکھ سکتیں ویسے چاہیے اس کا پیچھے کے لیے بندوبست کریں۔

عقل کی دشمن اتنا بھی نہیں سمجھتیں کہ زیور شرنگار ان کے دل پر کیا اثر کرے گا چاہیے پہلے دل کا بندوبست کریں۔ خواہشات بڑی طاقت ور ہوتی ہیں۔ بڑے بڑے پنڈتوں کو بھی گرا دیتی ہیں (بلوانیدریم گرامم ودوانسمپی کرشتی اِتی)۔ کون عقلمند یقین کر سکتا ہے کہ بیوقوف بیوائیں زیور شرنگار پہن، نیک پاک رہیں؟ زیور اسے پہنانا چاہیے جس کی دوسری شادی کر دینی ہو۔

اور جس کو جنت میں بھی دوسرے خاوند کی امید نہیں، چاہے سات سال کی بیوہ ہو، ہرگز زیور کا نام نہ لینے دیں۔ خرابی کے راستے میں یہ بھی ایک بڑا ہتھیار ہے۔

یوں تو اپنے بناؤ کا شوق عورت مرد سب ہی کو ہوتا ہے مگر خاص کر عورتوں میں ان کا زیادہ شوق پایا جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی اس کے دل میں یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ ہماری بناؤ کی کوئی تعریف کرے۔ شرنگار اور زیور پہننے کا مطلب ہی یہ ہے کہ لوگ خوبصورتی کو دیکھ خوش ہوں۔ اکثر میلے تماشے وِواہ شادیوں میں عورت مرد خوب جہاں تک جتنا جس کے پاس ہوتا ہے زیور پہن پہن کر جاتے ہیں۔ جسے کوئی خوبصورت کہہ دیتا ہے وہ بدن میں پھولا نہیں سماتا۔ بلکہ بدخیالوں کی بنیاد بھی یہیں سے ہی پڑتی ہے۔ ہوس پرستوں کے دل کے لپیٹنے۔ کھینچنے کو یہ جال پردانا ہے۔ جھٹ پٹ انجام پر پہنچا دیتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ زیور پہننے والی سبھی بدی کے راستے میں پڑ جاتی ہیں مگر ہاں، اتنا بے شک کہہ دیتی ہوں یہ اس منزل پر پہچا دینے کو مثل میل ٹرین کے ہے!

افسوس آتا ہے ان کی عقل پر کہ جان بوجھ کے اپنی پیاری بیٹیوں کو خرابی کا راستہ دکھاتی ہیں اور جب وہ کوئی خرابی کر بیٹھتی ہیں تو خود ان کی جان مارنے کا بندوبست کراتی ہیں۔

میرے نزدیک لڑکی کے جرم کی سزا میں ماں کو پھانسی دینی چاہیے۔ جو اپنی لڑکیوں کو کسی طرح کی بدنامی نہ کرنا چاہے انھیں چاہیے جو زیور لڑکی کے پاس بھی ہو اس کا بھی روپیہ سود پر دے دیں۔ اور ہو سکے تو اس کی ماں کو بھی زیور نہ پہننا چاہیے۔

پھر جن کے ماں باپ نہیں ہوتے انھیں بھائی بھوجائیوں کی غلامی کرنی پڑتی ہے۔ یہ عام بات ہے جس کے گھر میں ماں بہن رانڈ ہوتی ہیں نوکر رکھنے کی اسے کچھ ضرورت ہی نہیں رہتی۔ جو کام نوکر نہیں کرتے انھیں روٹیوں کے پیچھے وہ بھی کرنا پڑتا ہے۔ بیوہ عورت کو دنیا میں کسی کام کا خیال نہیں کرتے، سوائے اس کے کہ محنت کرے تو روٹی کھائے۔ چاہے کیسی ہی امیر ہو بھوجائیاں ہر وقت ان پر حکومت چلاتی ہیں اور انھیں عیش و آرام میں دیکھ کر اپنا خیال آتا ہے۔ بس وہ ان پر حسد کا الزام لگاتی ہیں۔ ہر

وقت لڑائی کرتی ہیں۔ اگر سسرال والی ہوتو وہاں بھی حسد کا ٹیکا ان کے ماتھے پر لگایا جاتا ہے۔ادھر سے خفا ہو، ادھر آتی ہیں۔ اِدھر کی ماری اُدھر جاتی ہیں۔غرض کہ موت کے دن بڑی مشکل سے پورے کرتی ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ علیحدہ مکان میں رہو تب بھی الزام سے الگ نہیں رہنے دیتے بیشک مانا کہ چھوٹی عمر میں علیحدہ رہنے سے خرابی پیدا کریں گی مگر رات دن کی لڑائیوں سے تنگ ہو جتنی عورتیں آج کل خوامخواہ بدی کر، نکل جاتی ہیں اس سے بہتر ہے کہ الگ مکان میں رہیں۔اور ان کے ماں باپ کو چاہیے۔اپنے جیتے جی ان کی گذران کا اچھا بندوبست کردیں۔

اور جن کے لڑکے لڑکی ہوتے ہیں، بچپن میں بڑی محنت مزدوری کر پالتی ہیں۔ جب جوان ہوتے ہیں، بیوی کا منہ دیکھتے ہیں، ماں کی مروّت بھول، اس کو گھر سے باہر کر دیتے ہیں۔ جو دولت مند بیوہ ہوتی ہے، برادری کے سب مل کے، بھائی یا دیور یا کسی اور رشتہ دار کا لڑکا گود میں بٹھا دیتے ہیں۔اس کے سب مال اسباب کا مالک بنا دیتے ہیں۔ یہ بیچاری اپنے کریا کرم (مرنے کے بعد کی آخری رسومات) کے لالچ سے بڑی محبت سے پالتی ہے۔ جب انھیں ہوش آتا ہے دولت اسباب اپنے قبضے میں کر، ان سے کہتے ہیں: ''روٹی کپڑا لو اور تمہیں کچھ اختیار نہیں۔'' اس وقت اس سے ان کی حالت اچھی دکھائی دیتی ہے جو دن بھر چکی پیس، آزادی سے رات کو روٹی کھاتی ہیں۔

باپ کے مال میں سے لڑکیوں کو کوڑی بھی نہیں ملتی۔خاوند کی دولت میں کچھ اختیار نہیں۔ بیٹے پر دعوا چل ہی نہیں سکتا۔بس، اس سے زیادہ دنیا میں کوئی بیوقوف اور کمبخت نہیں جسے کبھی خواب میں اختیار نہ ملا ہو، اور وہ اختیار پائے، پھر اپنے تئیں دوسرے کے حوالے کردے۔

رونا آتا ہے ان بیواؤں کی سمجھ پر جو دوسروں کو اپنی آنکھوں سے تکلیفیں اٹھاتے دیکھتی ہیں، پھر جان بوجھ کر اپنے واسطے وہی سامان کر لیتی ہیں!

پھر بڑھیا پُران میں بیواؤں کے مرنے کی بھی علیحدہ رسم ہے۔ جب خاوند والی مرتی ہے اس کا ویسا ہی شرنگار جیسا زندگی میں کرتی تھی، بلکہ جو چیزیں سہاگ سے

تعلق رکھتی ہیں۔نتھ، چوڑی، بچھوا وغیرہ جن کے پاس نہیں بھی ہوتا وہ پیتل کانسے کا پہنا دیتے ہیں۔ کپڑا بھی رنگین گوٹے کا پہنایا جاتا ہے۔ جب رانڈ مرتی ہے سفید دھوتی سفید چندن کا ٹیکا۔

خاوند والی برہمو کے کہنے کے بمو جب اس دنیا میں خاوند سے جدا ہوکر اس دنیا میں رانڈ ہونے کو گئی۔ جیسے بیوہ یہاں گذارا کرتی ہے وہ وہاں کرے گی۔ جب تک اس کا خاوند نہ مرے شرنگار نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ بیوہ ہونے کو ہے۔

منو اسمرتی میں لکھا ہے۔مرنے کے بعد عورت پتی لوک میں جاتی ہے۔ بس، بیوہ ہجر کے دن پورے کر، مرنے کے بعد خاوند سے ملتی ہے۔ چاہیے اس کا شرنگار کر، خاوند کے پاس جاوے گی وہ اس پر شک کرے گا۔ شاید گھر میں نہ گھسنے دے۔ اور دوسری شادی وہاں بھی نہیں ہوتی ہوگی۔ پھر وہ کہاں جاوے؟ پروہت جی کو سنگ لے جاوے، سفارش کر دیں گے۔

اے ہند کی بیواؤں کو مارنے والیو! کیوں اپنے واسطے کانٹوں کو پھول سمجھتی ہو، کیوں اپنے پاؤں میں اپنے ہاتھوں سے کلہاڑی مارتی ہو۔ ایک وہمی رواج کے پیچھے جس کا نہ کسی مذہب سے تعلق ہے، نہ کسی دھرم سے واسطہ، نہ کسی ہندوؤں کی کتاب میں اس کا ذکر ہے مہابھارت جس میں بے شمار رانڈ ہوئیں کہیں اس رسم کا نام ونشان نہیں پایا جاتا۔ پھر نہ معلوم آپ کون سے دھرم شاستر کی ریت پر کس پنڈت کے کہنے سے ان جان لینے والی بدرسموں کو نہیں چھوڑتیں؟

ہزاروں عورتوں کو اسی رسم نے دنیا سے کھویا اور نام غم کا ہوا۔ یہ انھیں بے گناہوں کے مرنے کا پھل تمام ہندوستان کے عورتوں، مردوں کو مل رہا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ آج چوتھائی ہندوستان بیواؤں سے بھر رہا ہے، اگر اس رسم سے مر جاتیں تو اتنی زندہ دکھائی نہ دیتیں۔ جواب: جس چیز کی آمدنی زیادہ ہو اور خرچ بالکل نہ کیا جائے وہ دن بہ دن زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اور جس کا خرچ آمدنی برابر ہے، بلکہ خرچ زیادہ ہوتا ہے، اس میں کچھ جمع ہوا معلوم نہیں دیتا۔

ایک ایک آدمی دس دس شادیاں کرتا ہے۔اس کے مرنے سے دس عورتیں رانڈ ہو جاتی ہیں۔اور ایک عورت کے مرنے سے دس کنواری بیاہ سکتا ہے۔

آج کل جو چوتھائی بیوہ نظر آتی ہیں یہ آدھی ہیں اور آدھی اسی بے رحمی سے مر جاتی ہیں۔افسوس ہے ان کی عقلوں پر جو خود اپنے واسطے ایسی خرابیاں ایجاد کریں جس میں مشکل سے زندگی کی امید ہو سکتی ہے! سرکار انگریزی نے ہندوستان سے ستی کرنے کی رواج کو بند کیا مگر یہ گھر میں ستی کرتے ہیں جس کی سرکار کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں۔

کوئی مہاتما ہندو بھائی اس پر خیال نہیں کرتا، بلکہ اپنا فائدہ سمجھتے ہیں کہ رانڈ کے جینے سے خرابیاں ہی ہوں گی۔خوب ہے کہ اس کا کام تمام ہو جائے۔اے ہند کی سنگ دل عورتوں، ایک غم کے مارے آدمی کو اس قدر تکلیف دیتے تمہیں پرمیشور کا خوف نہیں آتا۔اگر رانڈ کا منہ دیکھنے یا پرچھائیں لینے سے ہی رانڈ ہو جاتی ہیں۔تو نائنیں جو رانڈ کے پاس رہتی ہیں، چاہیے رانڈ ہو جائیں۔پنجاب میں یہ رواج نہیں، کیا ان کے خاوند مر جاتے ہیں۔

انگریزوں میں جس کا خاوند مرتا ہے اس کے رشتہ دار اور سب گھر کے اس کو بڑی تسلی پیار سے رکھتے ہیں، کیا وہ سب رانڈ ہو جاتی ہیں؟ نہیں، تم سے ہزار درجے آرام میں ہیں۔

دل میں خوب یقین رکھو، تمھارا مرنا چاہنے والے کبھی تمھیں اس رسم سے نہ روکیں گے۔بس، چاہیے خود غور کر، ایسی خراب نقصان پہچانے والی رسموں کو چھوڑ دو ورنہ قریب ہے تمہارا جہاز ڈوب جائے گا۔

نمبر 21

اولاد کی خواہش

ہندوستان میں جتنی چاہت اولاد کی عورتوں کو ہے مردوں کو نہیں۔ جس دن سے شادی ہوتی ہے اسی دن سے علاج کرنا شروع کر دیا جاتا ہے۔ اگر سال بھر میں اولاد ہو گئی تو خیر، نہیں بانجھ ٹھہرائی۔ اب مارے غم کے رات دن روتی ہیں۔ کھانا نہیں کھاتیں۔ ہر وقت ٹھنڈی سانس بھر کے کہا کرتی ہیں، بھلا ہماری قسمت میں اولاد کہاں! پھر فقیروں کی منتیں کرتی ہیں۔ بابا جی کے پاس آدھی رات تک بیٹھی پوجا کیا کرتی ہیں۔ سینکڑوں سال کے مردوں کی قبروں پر جا کر روتی ہیں۔ بوڑھا بابو، شیخ سدو، جین، خان، نگر کوٹ دیوتا کی۔ جتنی گھر کی جائداد بھی نہیں ہوتی جتنی یہ منتیں مانتی ہیں۔

کسی نے کہا سانپ کو مار کے یا جیتے پر کسی طرح نہاؤ۔ یہ فوراً دو تین سانپوں کو مروا کر چار پانچ دفع نہاتی ہیں۔ کسی نے کہا۔ کسی بچے کے سر کے بال جلا کے پھانکو۔ یہ جھٹ پٹ اولاد کی چاہت میں کسی سوئے ہوئے بچے کے بے دردی سے بال اکھاڑ لاتی ہیں چاہے اس میں ان کی تندرستی میں فرق آوے مگر انھیں ضرور پھانکتی ہیں۔ کسی نے کہا، کالے جیتے بھورے کو کھا لو۔ کسی نے کہا، آک کا دودھ بتاشے میں رکھ کر کھا لو۔ کسی نے کہا، چوہے کی مینگن دہی میں ملا کر کھا لو۔ بہت بوڑھی عورتیں یہی روزگار کرتی ہیں۔ خاک دھول کچھ لا دیتی ہیں۔ یہ انھیں پرمیشور سے بھی زیادہ جانتی ہیں۔ اولاد کی خواہش میں اپنے نفع نقصان کی کچھ خبر نہیں رہتی۔ نہ گناہ ثواب سمجھتی ہیں۔ اگر پرمیشور ان کے گناہوں کی طرف خیال کرے تو سات پشت اولاد نہ دے۔

گلے میں گائے بیل کی مانند ہر وقت تعویزوں کے رسی سے ہار پہنے رہتی

ہیں۔حکیموں کی دوائیوں کا کچھ ٹھیک ہی نہیں ۔ دائیوں کو ہمیشہ گھر میں موجود رکھتی ہیں۔سو ان کے بہت ایسی دوائیاں کرتی ہیں جن سے قیامت تک اولاد ہونے کی امّید نہیں بلکہ بیماریاں پیدا کر دیتی ہیں۔ یہ انھیں دوائیوں کے ذریعہ سے اولاد کا غم اپنے ساتھ لے جاتی ہیں۔

پھر پنڈت سے پوچھتی ہیں۔ پنڈت جی بہت باتیں اپنے مطلب کی بتاتے ہیں سونے کی گئو دان کرو، استری دان کرو، یا عورت کے جسم کا حصہ خیرات کرو۔ یا ہری ونش پُران سنو تب اولاد ہوگی نہیں تو سب کا مال سرکار میں ہی ضبط ہوتا ہے۔ پنڈت جی انھیں ہری ونش پُران سنا کیوں نہیں ان کا ونش (وارث) ہرا کرتے؟

(ا) ایک اولاد کی چاہنے والی کا حال:

کسی عورت نے ایک پنڈت سے پوچھا: ''مہاراج، کوئی ایسی ترکیب بتاؤ جس سے میں بیٹے کا منہ دیکھوں''۔ پنڈت جی نے کرم وِواہ جنم پتر (فال) دیکھ کے بتایا کہ فلانے شمسان میں آدھی رات کے وقت میں تو تیرا خاوند مردے کی پوجا کر کے اسے اٹھاوے، وہ تیرے گلے سے ملے تب اولاد ہو۔ وہ عورت خاوند کی منّت کر کے پنڈت جی کو ساتھ لے کر آدھی رات کو شمسان میں پہنچی۔ پنڈت جی نے مردے کی پوجا کر کے اور اجرت لے اس کو کھڑا کیا۔ اس اولاد کے چاہنے والی نے بڑی خوشی سے گلے لگایا۔ ذرا بھی خوف دل میں نہ لائی۔ پوجا کر کے تینوں گھر کو پھرے۔ راہ میں یاد آئی کہ پنڈت جی کی پوتھی وہاں ہی رہ گئی۔ پنڈت نے خاوند سے پوتھی لانے کو کہا۔ اس نے انکار کر کہا: ''چاہے سات جنم اولاد نہ ہو مگر میں اس وقت شمسان میں نہ جاؤں گا۔'' اسی عاشقِ اولاد نے کہا: ''میں جاتی ہوں ۔تم لوگ یہاں ہی کھڑے رہو۔''

راستے میں خیال آیا کہ مردے سے ایک دفع گلے ملنے سے ایک لڑکا ہوگا۔ ایک دفع اور ملوں تا کہ دوسرا بھی ہو۔ لڑکے کی آرزو میں مردے سے جا لپٹی۔ اس نے بھی اکیلا جان خوب زور سے پکڑا۔ اب رونے لگی۔ پاس کے لوگوں نے آ کر بڑی

مشکل سے چھڑایا۔اسی خوف سے گھر آ کر تیسرے دن مرگئی۔اب دیکھنا چاہیے مردوں کوزیادہ خواہش ہے یا عورتوں کو؟مُردے میں تو پھر جان کا پڑنا ناممکن ہے،شاید پنڈت جی نے کسی اپنے دوست کومردہ بنایا ہوگا یا کسی اس عورت کو چاہنے والے سے ملنے کی یہ صورت نکالی ہوگی۔اکثر احمق آدمی مردہ بن کر یا کسی دیوتا کی شکل بنا کر اولاد کو چاہنے والی نیک عورتوں کا دھرم خراب کرتے ہیں۔

اے ہندوستان کی نیک عورتو!ایک ناپائدار چیز کے پیچھے اپنے قیمتی وقت کو نہ کھوؤ۔اس دنیا سے اپنے تئیں مت گنواؤ۔یہ وقت،یہ جسم،یہ راج پھر نہ ملے گا۔جس چیز کے قائم رہنے کی ہمیں امید ہی نہیں،پھر کس طرح نام رکھنے کا بھروسہ رکھیں؟اولاد سے کسی کا نام اس دنیا میں نہ رہا۔کسی کی دس پُشت،کسی کی بیس آخر بند ہو جاتا ہے۔پھر انھیں کوئی بھی نہیں جانتا۔کون تھیں کہاں گئیں۔اگر کچھ دن نام رہتا ہے مردوں کا۔عورتوں کا نام کوئی نہیں لیتا۔پھر تم کیوں اپنا جیون گنواتی ہو؟

ہم کو اس نام کے رہنے کی کوشش کرنی چاہیے جو ہمارے مرنے کے بعد قائم رہے۔لڑکا جس کے جینے کی ہمیں اپنی زندگی کی امید نہیں ہے،پھر پیچھے کیا امید ہوسکتی ہے؟دیکھو،میرا بائی کی آج کوئی اولاد نہیں اور اس کو مرے بھی مدّت ہوئی مگر کس عزت کے ساتھ آج تک اس کا نام لیا جاتا ہے۔پرمیشور کی پریت میں اس عورت کے برابر آج تک دوسری مشہور نہیں ہوئی۔بھیلنی ایک سب سے نیچ قوم میں تھی مگر پرمیشور کا بھجن کرنے سے آج تک اس کا نام قائم ہے۔پھر کالی داس کی استری وڈیوتما کے کوئی اولاد نہ تھی مگر علم کے باعث آفتاب کی طرح آج تک اس کا نام روشن ہے۔دیکھو،مہابھارت میں کنتی،دروپدی،ستیہ بھاما،ستیہ وتی،رکمنی کیسی عزت کے ساتھ ان نیک عورتوں کا نام لکھا جاتا ہے۔پھر لیلاوتی،دم یتی،شکنتلا ان کی اولاد کو کوئی نہیں جانتا۔اہلّیا،رانی بھوانی،کرشنا کماری،شرن کماری کیسے ہمت کے ساتھ ان عورتوں نے اپنا نام مشہور کیا۔پُلچیریا،ایلیزابیتھ،ولوئس اور بہت انگلستان کی عورتیں ہوئی ہیں جنھیں سینکڑوں برس مرے گزر گئے مگر نام ان کا آج تک قائم ہے۔

اور آج کل بھی بہت انگریزی لیڈیاں ہیں جو اپنا وقت ہی دنیا کے فائدے میں خرچ کرتی ہیں۔ عمدہ سے عمدہ کتابیں، رسالے، اخبار لکھتی ہیں۔ دور کا سفر اپنے اوپر اختیار کر کے ہندوستان میں صرف خدمت ہی کے لیے آتی ہیں۔

اور دوسری طرح سے بھی یہ خواہش بے فائدہ ہے کیونکہ جب سے دنیا پیدا ہوئی تبھی سے لڑکے کا نام باپ کے نام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ تواریخ میں برابر راجاؤں کا حال ہے۔ کہیں ان کی ماں، بہن، بیٹی، جورو کا ذکر نہیں۔ مگر انھیں عورتوں کا نام ہے جنھوں نے کوئی کتاب تصنیف کی ہو یا کوئی عمارت بنوائی ہو۔ یا کوئی اور ملکی بندوبست کیا ہو یا مذہب کے ساتھ کسی طرح کی دلیری کی ہو یا پرمیشور کے بھجن میں مشہور ہو۔ مہا بھارت میں اتنے راجہ مرے سب کا نام لکھا ہے مگر یہ کہیں نہیں لکھا کہ فلانی کا لڑکا تھا۔ اور آج کل بھی کوئی ماں کا نام نہیں لیتا، جس سے پوچھو یہی کہتا ہے فلانے کا لڑکا ہے۔ مگر ماں کے نام کی خبر نہیں۔ بس تمھیں چاہیے۔ اوروں کے نام کے پیچھے اپنا نام اس دنیا سے بالکل نہ کھوؤ۔ میں یہ نہیں کہتی کہ اولاد کی خواہش ہی چھوڑ دو! نہیں، اگر کوئی بیماری ہو ڈاکٹر سے علاج کراؤ۔ ان مُردوں، پیروں سے کبھی اولاد نہیں ہو سکتی۔

بہت عورتوں کا خیال ہے کہ عورتیں اولاد پیدا کرنے کے لیے ہیں۔ اگر یہ نہیں تو وہ کسی کام کی نہیں۔

نہیں، ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اگر پرمیشور اولاد کے لیے ہی عورتوں کو بناتا تو یہ جو نیک بد پہچاننے کی عقل ہم میں ہے ہرگز نہ دیتا۔ آدمی کا دل جو تمام بدن میں ایک بیش قیمتی چیز ہے تمہارے نہ ہوتا۔ پھر عقلیں اور اعمال مردوں کے برابر تمھارے نہ ہوتی۔

نہیں، پرمیشور نے حمل کرنے کو عورتیں اور حمل ٹھہرانے کو مرد بنائے ہیں۔ اس میں کسی کو اپنے نام رکھنے کی یا زیادہ ہونے کی خواہش نہ کرنی چاہیے۔ یہ تو قدرت کا قانون ہے۔ وہ ان دونوں کے ذریعہ سے اپنی دنیا زیادہ کرتا ہے جب اولاد ہو، خیال کرنا چاہیے کہ ہمارے ذمے پرمیشور نے ایک خدمت دی ہے، بس اس کو دل و جان

سے بجالانا انسان کا فرض ہے۔ یہ قدرتی چیز ہے اس پر اپنا اختیار نہیں جتانا ہمیں اور جس کو پرمیشوراس خدمت سے معاف رکھتا ہے ان کو یہ خیال ہرگز نہ چاہیے کہ پرمیشور کم بخت ہے۔ہم کو اولاد نہیں دیتا۔ ان کو ایک طرح کی خوشی کرنی چاہیے کہ پرمیشور نے ایسی بھاری خدمت سے معاف رکھا۔ بس، ان کے واسطے ان سے اور دنیا کی خدمتیں بنائی ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ یہ جسم صرف بچوں کی پرورش کو بنا ہے، نہیں ہر ایک آدمی میں رحم جو قدرت کی طرف سے محتاج کو دیکھ کر دل میں آتا ہے۔ بس، اس سے صاف ظاہر ہے کہ جسم نہ صرف بچوں کی پرورش کے لیے، نہیں جو اس خدمت کا محتاج ہے سب کی ہی خدمت کرنے اور کرانے کو بنا ہے۔ دنیا میں وہ کام کرنا چاہیے جس کا نفع اوروں کو پہونچے اور اپنا پیچھے مدت تک نام رہے۔

اگر آپ کوئی نیک کام کروگی تو اس کا ثواب بھی آپ کو ہی ملے گا۔ اگر بد کرو تو بھی آپ ہی کو جھیلنا پڑتا ہے۔ اولاد کسی کی نیکی بدی میں مدد نہیں کرتی۔ جو جیسا کرے گا ویسا ہی اس دنیا میں پاوے گا۔ تم کسی کو جان سے مارو، بس! اس کے عوض تم ہی کو پھانسی ہوگی۔ جب اولاد اس دنیا میں ہم کو دکھوں سے نہیں چھڑا سکتی تو اس دنیا میں جس کی آج تک کسی کو خبر نہیں ہوئی کیا کرے گی؟ اگر کہو، ہمارے مرنے کے بعد کرم ۔کر یہ (.....)☆ کریں گے جس کے ثواب سے ہمیں جنت میں جگہ ملے گی، خوب یقین رکھو، جب اس دنیا میں ہی تمھیں کوئی نہیں جانتا؛ کس کی ماں بہن ہو تب جنت میں کون جانے گا؟ بس، وہاں بھی دھکّے ہی کھاؤ گی۔ اور سورگ کے پروہت بھی وہاں ہیں جنھوں نے اس دنیا سے تمھارا نام ونشان کھویا۔ اگر اس لکھنے پر غور نہ کروگی پیچھے پچھتاؤ گی۔

سدا دور دوراں دکھاتا نہیں
گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

پھر آج کل کے جادو ٹونکے سے پیدا کی ہوئی اولاد کبھی ماں باپ کو نفع نہیں

☆ پڑھا نہ جاسکا۔

دیتی۔ماں باپ ایسی ایسی محنت کر کے پالتے ہیں اور انھیں جیوں جیوں ہوش آتا ہے
تیوں تیوں پرمیشور سے ماں باپ کے جلد مرنے کی دعا مانگتے ہیں۔اور جیسے اختیار
پانے پر ماں باپ کا حال کرتے ہیں،کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔اگر کوئی کہے سب
نہیں کرتے ، بیشک سو میں دس ہونگے جو ماں باپ کو خوش رکھتے ہوں،نہیں سب اولاد
والے آج کل روٹیوں کو روتے ہی نظر آتے ہیں۔اس کے سبب کی ایک بات مجھے یاد
آئی ہے۔

ہندوستان کے کسی شہر میں ایک نہایت غریب مفلس آدمی رہتا تھا اس کے
اولاد نہ تھی۔اتنا غم ایک وقت روٹی نہ ملنے کا نہ تھا اور اسی غم میں اس سے کچھ کام بھی نہیں
ہوسکتا تھا۔

وہ دونوں اسی فکر میں رات دن رہتے تھے۔آخر کسی فقیر کی دعا سے ایک لڑکا
اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔پر یہ ایک رات غریبی،دوسرے ان کی اچھی طرح پرورش نہ
کرنے سے،تیسرے بڑی محنتوں سے بیمار ہو کر مر گیا۔ابھی بچے ایک دو سال کے ہی
تھے۔اس بیچاری بیوہ پر مفلس کی بلا آگے ہی تھی۔مگر غم سے قریب تھی کہ وہ بھی جان
دے دے۔پر بچوں کی محبت نے نہ چھوڑا۔دن جدائی بھر چکی پیس کر آپ فاقہ کر کے
ان کو پالتی تھی اور ساتھ ہی اسے لڑکی کی شادی کرنے کا بڑا خیال تھا۔جب لڑکی سات
سال کی ہوئی اس بیچاری کو مارے فکر کے رات دن چین نہ تھا۔مگر اسی شہر میں کسی
اشراف آدمی کے چاہنے والوں نے اس بیوہ لڑکی کی شادی کر دی۔اور اس کے لڑکے پر
بھی مہربانی کر،کسی مکتب میں بٹھا دیا۔پر وہ نیک عورت جب بھی چکی پیس کر لڑکے کو
کھلاتی اور پڑھاتی تھی۔تھوڑے عرصے میں لڑکا کچھ اردو سیکھ کر جوان ہوا۔

اور اس بیوہ کی لڑکی بھی بیوہ ہوگئی۔اس بیچاری پر اور نا گہانی بلا آئی۔ہندوؤں
میں دستور ہے،جب خاوند مر جائے تو سسرال والے بہو کو نہیں چاہتے بلکہ ماں باپ
کے گھر نکال دیتے ہیں۔یہ بھی اپنی لڑکی کا یہ حال دیکھ کر اپنے پاس لے آئی اور دل
میں یہ خیال کرتی تھی کہ کوئی دن میں لڑکا کہیں نوکر ہو جائے گا۔بس،ہم ماں بیٹی اچھی

طرح گذارا کریں گی۔اب تھوڑے ہی دن مصیبت کے ہیں۔کوئی دن میں یہ دلدر (غربت) پار ہوجائے گا۔

ہندوستان میں جس دن لڑکا پیدا ہوتا ہے۔ماں باپ کو اتنا اس کی پرورش کی فکر نہیں ہوتی جتنا شادی کرنے کی ہوتی ہے۔چاہے گھر میں بہو کے کھانے کا ایک وقت کا بھی نہ ہو مگر شادی ضرور چھوٹی عمر میں کریں گے۔

اس بڑھیا کو بھی اب یہ خیال کھائے جاتا تھا۔کسی طرح شادی ہو،گھر بسے،بہو آوے۔ہر وقت لڑکی سے یہ کہا کرتی تھی،اپنے تئیں جب جیتی جانوں گی جب منوا کی شادی کرلوں گی۔

اتنے میں لالہ صاحب کی کسی کی سفارش خوشامد سے دس روپے نوکری بھی ہوگئی۔بھلا،اب شادی کے لیے کون روک سکتا تھا؟ مگر پھر بھی اتنا روپیہ نہ تھا۔اور لڑکیوں کا گھوڑی اور گدھیوں سے بھاری مول ہے۔لاچار بیچاری نے لڑکی کا زیور بیچ کر شادی کی اور لڑکے نے اقرار لیا کہ میں بہن کا سارا زیور پھر بنادونگا۔

بہو نے پہلے ہی گھر میں گھستے اس منتر کو پڑھا:

کیا ساس تم مٹکو چٹکو ،کیا مٹکاؤ کولہا
ڈولے میں سے جب اترونگی ،جدا دھرونگی چولہا

اب ماں بیٹی دونوں بہو کی خدمت کرتی تھیں۔جو کچھ کہیں سے محنت مزدوری کر کے اچھی چیز پاتی تھیں پہلے بہو کے آگے دھرتی تھیں۔

دو چار مہینے بعد بیوی نے خاوند سے کہا،''تمہاری بہن ہر وقت مجھے مول خریدی کہتی ہے۔مجھے کبھی چین کسے بیٹھنے نہیں دیتی۔بس،میں تمہارے گھر رہنا نہیں چاہتی۔جہاں سے مجھے لائے ہو وہیں چھوڑ آؤ۔''

وہ مجنوں کی طرح لیلیٰ پر عاشق تھا۔شیریں فرہاد کی مانند دیوانہ تھا۔یہ سنتے ہی بہن کو مار پیٹ کر سسرال میں نکال دیا۔بیوقوف نے یہ نہ سمجھا کہ بہن نہ ہوتی تو بیوی کہاں سے آتی۔اب ہر وقت ماں کی شکایتیں ہوتی ہیں۔آج تمہاری ماں نے مجھے

کھانے کو نہیں دیا، آج مجھے گالیاں دیں۔ جورو کو ناراض رکھنا انھیں کسی حالت میں منظور نہ تھا۔ آخر ماں سے کہا: ''تمہارا گذارا ایسے نہ ہوگا۔ تم کسی اور جگہ جا کے رہو۔'' وہ بیچاری مصیبتوں کی ماری سنتے ہی زار زار رونے لگی ''بیٹا میں نے تم کو کس مصیبت سے پال کے اتنا بڑا کیا، چکی پیسنے کے نشان ابھی تک میرے ہاتھوں سے نہیں مٹے، اب بڑھاپے میں مجھے نکال دیتا ہے؟''

لڑکے نے جھڑک کے کہا: ''تم نے کیا پالا ہے، ہمیں پرمیشور نے پالا ہے۔''

سچ ہے، پرمیشور ہی چکی پیس پیس کر انھیں کھلا جاتا تھا۔ پرمیشور نے ہی شادی کرنے کو روپے بھیجے تھے۔

دو چار دفعہ کہنے سے بڑھیا نے نہ مانا۔ تب تو بیوی نے بڑے جوش میں آ کر کہا: ''میں ایسے نہ رہونگی کہ ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہتیں۔ یا تو یہی رہے گی یا میں۔'' بیوی کا ناراض ہونا کب سہار سکتے تھے؟ آخر بڑی سنگ دلی سے ماں سے کہا: ''تم ایسے نہیں جاتی تو میں اور طرح سے نکالونگا۔'' اور ساتھ ہی بانہہ پکڑ کر دو چار دھکے بھی دیئے۔ بیچاری بڑھیا روتی ہوئی کسی پڑوسی کے گھر جا بیٹھی۔ دو دن بعد پھر گھر آئی۔ جورو دیکھتے ہی آگ ببولہ ہوگئی۔ خفا ہو کر کوٹھے پہ جا بیٹھی۔ جب لالہ صاحب باہر سے آئے بیوی کو نہ دیکھا۔ آنکھوں میں تاریکی چھا گئی۔ ماں کو دیکھ کے جانا کہ اسی کی کچھ شرارت ہے۔ جھٹ پٹ کوٹھے پر جا کر پوچھا۔ بیوی نے کہا: ''میں اس کا منہ نہ دیکھونگی۔ یا اسے گھر میں رکھو یا مجھے۔'' بیوی کا الگ ہونا میاں کو کب منظور تھا؟ ماں کو مارا پیٹا مگر بڑھیا باہر نہ نکلی۔ رات کو دونوں نے اوپر ہی کھانا کھایا۔ بڑھیا کو کسی نے نہ پوچھا۔ بیوی سے نیچے اترنے کو کہا۔

اس کالے سر والی نے قسم کھا کر کہا: ''جب تک اس کمبخت کا منہ کالا نہ کرو گے، میں ہرگز نیچے قدم نہ دھرونگی۔'' اس جورو کے غلام نے ماں کو دھکّے دے باہر نکال دیا۔ بڑھیا روتی ہوئی کسی کے دروازے پر جا پڑی۔ اس گھر کے مالک نے بڑھیا کو گھر میں لا کر کھانا کھلایا۔ جب اسے ہوش آیا اوّل سے آخر تک اپنا سب حال کہا۔ اب بڑھیا

انھیں کے گھر کام کرتی ہے۔ تس پر بھی لڑکے کو یاد ہر وقت کیا کرتی ہے۔ اور اس کمبخت نے کبھی خیال بھی نہیں کیا کہ میری ماں تھی، کہاں گئی، مری یا جیتی ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اس بڑھیا کو دیکھا ہے اور سب اس کی زبانی حال سنا۔

اوّل تو مجھے کبھی اولاد کی خواہش ہی نہیں ہوئی تھی مگر جو کچھ تھی وہ اس کا حال دیکھنے سے سب جاتی رہی۔ اس وقت میں نے پرمیشور کا بڑا شکر ادا کیا کہ مجھے ایسی دکھ دینے والی اولاد سے معاف کیا۔ اگر کوئی کہے کہ سب ایسا نہیں کرتے، بے شک سو میں پچھتر ہی کرتے ہیں۔ شاید پچیس کم کرتے ہوں۔

نمبر22

پتی ورتا دھرم (شوہر کی پرستش)

ہندوؤں کے مہا بھارت، منو اسمرتی وغیرہ میں عورتوں کے سوائے شوہر کی خدمت کے اور کوئی نیکی کا ذریعہ نہیں لکھا۔ وید ویاس، پراشر، وشِشٹ، مارکنڈے، یا گولکی اور والمیکی اور سب نے عورتوں کے واسطے فرماں برداری ہی قرار دیا ہے۔ مالک کی بندگی کا ثواب سب عورتوں کو شوہروں کی خدمت سے ملتا ہے۔ جو معیار و مقام رشی لوگ بڑی ریاضتوں کے بعد حاصل کر پاتے ہیں وہ اس کو شوہر کی خدمت سے مل جاتی ہے، جیسے ایک خاتون کو ملی تھی۔

مہاراج یودھشٹھر نے مارکنڈے سے اس دھرم کا مہاتم (اہمیت) پوچھا۔ رشی نے کہا: کوئی برہمن کسی ویادھ (عالم) کے پاس دھرم اپدیش کو گیا۔ ویادھ نے کہا، فلانے شہر میں ایک پتی ورتا ہے۔ اس کے پاس جاؤ۔ برہمن اسی شہر میں گیا اور بھیک مانگتا ہوا جب اس شوہر پرست کے دروازے پر پہنچا۔ اتفاق سے اس وقت اس کا خاوند آ گیا۔ اس نے خاوند کی خدمت دیوتا کے مانند کی۔ اور بعدِ خدمت کرنے کے ایک گھڑا پانی خاوند کے پلنگ کے چاروں اور ڈال دیا۔ جب برہمن کو بھیک دینے آئی، برہمن نے پوچھا: ''دیوی، خاوند کی خدمت کے بعد پانی کیوں ڈالا؟'' اس خاوند پرست نے کہا: ''تم بھیک لو، تمہیں ان جھگڑوں سے کیا کام ہے۔'' برہمن نے بھیک نہ لی۔ تب اس نے کہا: ''فلانے شہر میں آگ لگی ہے۔ وہاں میری بہن رہتی ہے۔ اس لیے اس کا گھر بجھانے کو یہ پانی میں نے ڈالا ہے۔'' برہمن نے کہا: ''اتنی دور شہر ہے، تمہیں کس طرح معلوم ہوا؟'' پتی ورتا نے کہا: ''اے برہمن، یہ کرامات مجھے میرے شوہر کی

خدمت سے ملی ہے۔"

برہمن اس بات کے جانچنے کو اسی شہر گیا جہاں اس نے آگ لگی بتائی تھی اور اسی کے کہنے کے موافق دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ تمام شہر جل گیا ایک اس کی بہن کا گھر باقی رہا۔

یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے۔ عشق کا رتبہ بڑا بھاری ہے۔ جو اس کی حد کو پہنچ جاتا ہے، تعجب نہیں کہ تمام دنیا کی خبر رکھے! یہ صرف خاوند پر ہی منحصر نہیں ہے۔ جہاں جس کے ہاتھ یہ درجے درجے پر پہنچے بیشک سدّھی کو پاوے جیسے یوگ وششٹ میں ایک اِندو نام برہمن اور اہلّیہ نام ایک راجہ کی عورت نے آپس میں عاشق ہو وہ سدّھی پائی تھی کہ جو بڑے بڑے رشی منیوں کو نہیں مل سکتی۔ اور آج کل بھی جو کوئی گرو برہمن مہاتما استریوں کو اپدیش کرتا ہے وہ بھی یہی کہتا ہے: "پتی ہی دیوتا ہے۔ پتی ہی کا دھیان کرو۔ پتی ہی کی پوجا۔ پتی ہی کا بھجن۔ عورتوں کے واسطے شوہر ہی پرمیشور ہے اور کوئی دوسرا نہیں۔ جو بیوی اپنے شوہر کے علاوہ دوسرا پرمیشور جانتی ہے وہ اس دنیا میں بڑا دکھ اور پرلوک میں نرک پاتی ہے۔" آدمی کو ایشور نے پیدا کیا ہے، پھر آدمی کیونکر پرمیشور ہو سکتا ہے؟ دوسرا، عورت اور مرد کے دو جسم علیحدہ علیحدہ ہیں۔ تب دونوں کو اپنی تن پروری کی ضرورت ہے۔ اس دھرم کی زیادہ ہدایت کرنے کا خاص مطلب ان لوگوں کا یہ تھا کہ عورت کو نصف جز کہتے ہیں، یعنی ایک چیز کی دو شکل۔ عورت و مرد کو ایک مانتے ہیں اور ظاہر میں بھی عورت کی کوئی ذات نہیں۔ جس سے شادی ہوتی ہے اسی کی ذات گنی جاتی ہے۔ پھر نہ اس کو کوئی دھرم کرم شاستر کی بموجب کرنا ہوتا ہے۔

برہمن جنیو (سینے پر پہنا جانے والا دھاگا) پہنتے ہیں۔ عورتوں کو نہیں پہناتے۔ کیا وہ برہمنی نہیں؟ اس سے ظاہر ہے۔ عورت و مرد میں ایک کے کرم ہونے سے دونوں کے ہو جاتے ہیں۔ اس کا بھی وہی پرمیشور ہے جو اس کے خاوند کا ہے۔ بس، کچھ ضرورت نہیں ہے اسے عبادت و ریاضت کی۔ مگر یہ اس زمانے کے واسطے تھا جب دونوں میں پریت ایک سی ہوتی تھی۔ دونوں کا دل ایک ہوتا تھا۔ دونوں کا کرم

ایک ہوتا تھا۔مرد وعورت دونوں پسند کر کے شادی کرتے تھے۔عورت بھی اپنے تئیں آزادمرد کی برابر جانتی تھی۔اپنی خوشی سے گندھرووواہ،سوئمبر وواہ کرتی تھی اور برہمن وواہ ،پرجاپتی وواہ ہوتے تھے۔اس حالت میں سوائے شوہر کے بیوی کو دوسرے کا خیال نہ ہوتا ہوگا۔اس وقت کے لیے بیوی کو پتی ورتا دھرم سے کوئی اور اچھا دھرم نہیں تھا۔

عورت ومرد کا رشتہ روحانی ہے جسمانی نہیں۔روح کا رشتہ پریت (محبت) سے ہے۔جب تک عورت ومرد میں پیار نہ ہوتو شادی نہیں۔اور اس حالت میں کب محبت ہونے کی امید ہے جب لڑکا ممبئی میں اور لڑکی کلکتہ میں؟ نہ وہ اس کے مزاج سے واقف ہے نہ اس کی صورت سے آشنا ہے۔ایسی جگہ اتفاق سے پریت ہوتو ہو،نہیں تو کوئی صورت پریت ہونے کی نہیں ہے۔مثلاً لڑکی پانچ سال کی اور دولہا ساٹھ سال کا،لڑکی بیس سال کی اور لڑکا پانچ سال کا۔کیا یہ ممکن ہے کہ بڑے ہونے پر ان میں پریت ہو؟

محبت ہم عمروں سے ہوتی ہے۔اس کا تو بیوقوف کو بھی تجربہ ہوگا۔دیکھو،بچہ کبھی بوڑھے سے خوش نہیں رہتا ہے ہمیشہ بچوں میں ہی خوشی سے کھیلتا ہے۔جوان کبھی بوڑھی بیوی سے راضی نہیں رہے گا۔جوان عورت کبھی بوڑھے سے خوش نہ ہوگی۔بس،یہ دھرم اس وقت کے واسطے نہیں ہے۔آج کل کی عورتوں کو علم سے محروم رکھ،جیل خانے میں ڈال،تس پر شک کر،بیواؤں کی دوسری شادی نہ کر،آپ دس دس شادیاں کرتے ہیں۔کیا یہ بے انصافی نہیں ان کو اس دھرم کی راہ بتانا؟ کیا ظلم نہیں اندھے کنوئیں میں دھکیل دینا؟ کیا اندھے کے برابر ان کی حالت نہیں ہے؟

دوہا:

ग्राह ग्रसित पुन बातरस तेह पर बीछू मार,
ताह पियासी वारणी कहो कवन उपचार ?

کیا ان کو لاعلمی کے سیارے نے نہیں گھیرا ہے؟ کیا ان پر زبردستی نہیں؟ کیا

بغیر پسند کیے ہوئے شادی بچھو کے زہر سے کچھ کم دکھ دیتی ہے؟ جس پر اس دھرم کی شراب ملانا! کیا اس سے بھی بڑھ کر دنیا میں کوئی پاپ ہوگا؟

یہ پتی ورتا دھرم (شوہر کی پرستش) نہیں خود مطلبی دھرم ہے۔ بیوقوف سے جو کہو کرتا ہے۔ جس طرح کہو مانتا ہے۔ تس پر پتی ورتا دھرم کے باعث انہیں کسی طرح کا انکار نہیں کیونکہ اس دھرم کا مطلب یہی ہے خاوند جو کہے ماننا۔ اگر کہے کنوئیں میں گرو فوراً گر پڑے۔ اگر نہ گرے سورگ (جنت) سے نکالی جاوے۔ اگر کہے، میرے فلانے دوست سے بچہ پیدا کرو، تو فوراً چلی جاوے چاہے اپنا مذہب ٹوٹے۔ اور کئی عورتیں اسی دھرم کے پیچھے اپنے خاص دھرم کا بھی خیال نہیں کرتیں۔

یہ خود مطلبی مذہب ہے۔ آپ جو چاہے سو کریں۔ انھیں خاوند کے مرے پر بھی اسی دھرم کو رولائے۔ آپ رنڈی لونڈوں کی بغل میں آرام کریں، انھیں پنڈت جی سے نصیحت سنواویں۔

نمبر 23

کچھ کتھا (کہانی) کا حال لکھا جاتا ہے

ہندو اور اس کی عورتوں کو دھرم کرم کھونے والے اس دھرم کی کہانیاں بنا کر سناتے ہیں۔ اس کا کچھ خلاصہ لکھا جاتا ہے۔ استریوں پتی ہی کو دیوتا پرمیشور مانو۔ اس دنیا میں شوہر کے سوا تمھارا خیر خواہ دوسرا کوئی نہیں ہے۔ اس دھرم کے اثر کو برہمہ بھی نہیں جانتے۔ جو عورت اس دھرم کو کرتی ہے، دیوتا سب اس کے اسیر ہو جاتے ہیں۔

اس دھرم کے چار درجے ہیں۔ اُتّم، مدھیم، کنشٹھ اور نیچ۔ اتم وہ ہے جو اپنے خاوند کے سوا کسی دوسرے کے لیے دنیا میں پیدا ہوا ہی نہ جانے۔ مدھیم وہ ہے جو دوسرے مرد کو بھائی باپ کے مانند جانے۔ کنشٹھ وہ ہے جو اس دھرم کے ڈر سے دوسرے کے پاس جا نہیں سکتی۔ نیچ وہ ہے جو لوگوں کے خوف سے موقعہ نہ ملنے سے رکی رہتی ہے۔ پانچواں درجہ اپنی طرف سے اور آج کل کی عورتوں کی صورتِ حال دیکھ کر لکھتی ہوں یعنی زبردستی اس دھرم کو کرانا۔ گھر میں بند رکھنا، باہر نہ جانے دینا۔ لوگوں نے اسی کا نام دھرم رکھا ہے۔ جو گھر سے باہر نکلی اس دھرم سے گرائی گئی۔ گھر میں چاہے کچھ کریں۔ اے شری شرنگال ورتی شرما، شری واک ورتی شرما، شری وراہ ورتی شرما، شری کاک ورتی شرما، شری کورم ورتی شرما۔ پنڈتوں (مذہبی پیشوا) جو آدمی دھرم کا معنی ہی نہیں جانتا بھلا وہ اس دھرم کو کیسے کرے گا؟

پنڈت جی کہتے ہیں: ''دیکھو، ایک عورت نے اس دھرم کے اثر سے دھرم راج کا آدھا جسم کالا کر دیا تھا۔'' کیوں نہ ہو؟ دھرم راج بھی تو مرد کی علامت رکھتے تھے۔ آخر اپنے جنسی دھرم پر آ گئے ہوں گے۔ استری نے ایک ایسی چپیڑ دھرم کی ماری

_آدھا منہ کالا کر دیا۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہے جو کوئی کسی سے کسی طرح کی بد چالی کرتا ہے اس کو بھی منہ کالا کرنا کہتے ہیں۔

ایک عورت نے اس مذہب کے زور سے آفتاب کا نکلنا بند کر دیا۔ کوئی رشی سولی پر لٹکتا تھا۔ یہ اپنے معذور شوہر کو ٹوکرے میں دھرے سر پر اٹھائے پھرتی تھی۔ اتفاق سے اسی راستے آنکلی۔ رشی کے پاؤں پنگلا کے سر میں لگے۔ اس نے آہ کھینچی۔ عورت نے شراپ (بد دعا) دیا۔ یہ سن کر سولی چڑھے رشی نے کہا: "جا، جسے اٹھائے پھرتی ہے کل وہ سورج نکلنے سے مر جائے گا"۔ عورت نے کہا: "اگر میں پتی ورتا ہوں تو سورج ہی نہ نکلے گا۔" عورت نے کئی دن تک سورج کو نکلنے نہ دیا۔ آخر دیوتاؤں کو تلاش کرنے سے معلوم ہوا کہ ایک پتی ورتا نے سورج کو روک رکھا ہے۔ پھر وشنو بھگوان نے آ کر ستی کو سمجھایا اور سب دیوتاؤں نے التجا کی۔

اگر وہ پنگلا خاوند کو اٹھائے پھرتی تھی تو بجا تھا، بلکہ ہر ایک عورت کو ایسی ہی وفاداری کرنی چاہیے۔ صرف خاوند پر ہی نہیں، ماں باپ، بھائی، بیٹا جو ایسی مصیبت میں گرفتار ہو، سب پر ایسا ہی رحم کرنا چاہیے۔ بیشک، جو آدمی اوروں پر رحم کرتا ہے پرمیشور ضرور اس پر رحم کرے گا۔ اگر دیوتا کچھ چیز ہے تو وہ بھی ایسے آدمی کے تابعدار ہو جاتے ہیں بلکہ وہ خود دیوتا بن جاتا ہے۔

پران میں لکھا ہے ایک عورت بڑی پتی ورتا تھی مگر اس کا خاوند مہا مورکھ، بدشکل، غریب و شہوت پرست تھا۔ کبھی عورت سے خوش ہو کر نہیں بولتا تھا۔ ایک دن عورت نے ہاتھ جوڑ کر کہا: "سوامی، تم کس لیے ہر وقت اداس رہتے ہو؟ جو کچھ تمہارے من کی بات ہو برائے مہربانی مجھ سے کہیے۔ جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا سر آنکھوں سے کروں گی۔ اگر میری جان بھی آپ کے کام آوے گی تب بھی دریغ نہ کرونگی۔"

خفا ہو کر خاوند نے جواب دیا: "اس شہر کے بادشاہ کی آشنا، اگر ایک رات میرے پاس رہے تو میں خوش ہوں۔" اس دن سے عورت چار گھڑی رات رہے اٹھ کر

اسی رنڈی کے مکان پر جاتی اور صبح ہوتے اس کے گھر کا سارا کام کر کے خاوند کی خدمت میں آ کر حاضر ہو جاتی تھی۔ایک دن ویشیہ (طوائف) نے دل میں کہا ایسا کون شخص ہے جو رات میں میرا کام کر جاتا ہے؟ بس، وہ رات کو جاگتی رہی۔ جب عورت آئی اس نے ہاتھ پکڑ کے کہا: ''تو کون ہے اور کیا غرض رکھتی ہے؟'' عورت نے ہاتھ جوڑ کر پاؤں میں سر دھرا اور کہا: ''اگر میرا کام پورا کرو تو میں عرض کروں۔'' رنڈی نے خیال کیا کہ دولت سے بڑھ کر کیا مانگے گی؟ کہا: ''اچھا بے خوف عرض کر۔ جو اس کے خاوند نے کہا تھا اس نے عرض کر دیا۔تب ویشیہ نے وعدہ کیا کہ کل رات کو تیرے گھر آؤں گی۔ عورت نے خاوند کو یہ خوش خبری سنائی۔تب اس نے اور چیزیں منگائیں۔عورت نے سب اپنا زیور بیچ لا دیں۔دوسرے دن شام کو ویشیہ آئی۔ یہ اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور دونوں نے کھانا کھا کر شراب پی۔ایک جگہ آرام کیا اور اس سے کہا: ''تو پانی جھاری لیے دروازے پر کھڑی رہ، جب ہم مانگے دینا۔'' دونوں نشے میں سو رہے۔ یہ وہاں کھڑی رہی۔ اتنے میں ٹھنڈی ہوا چلی۔ پھر بادل گرجا۔اولے پڑے۔لیکن یہ عورت ذرا نہ ہلی۔ پانی لیے ویسی کھڑی رہی اس لیے کہ خاوند کی حکم عدولی نہ ہو۔اس وقت کا مرنا تینوں لوکوں کو جیتنا ہے۔اس وقت بھگوان کا سنگھاسن ہلا۔ جانا کہ کسی بھگت پر کشٹ (دکھ) پڑا۔معلوم کیا کہ پتی ورتا کو کشٹ ہے۔بس، اس کے لانے کو ومان (جہاز) بھیجا کہ عورت کو جنت میں لے آؤ۔عورت نے دوتوں سے کہا: ''جب تک میرے خاوند کو ومان نہ آوے گا، میں نہ جاؤں گی۔'' دوسرا ومان آیا تب اس کے شوہر نے کہا جب تک یہ طوائف نہ جائے میں ہرگز نہ جاؤنگا۔'' طوائف نے کہا، ''جب تک میرا پیارا راجہ بہشت نہ جائے گا میں جا کر کیا کرونگی؟'' راجہ نے کہا، ''میں اکیلا جا کر کیا کرونگا؟ جب تک میری ساری پرجا نہ جائے گی میں نہیں جانے کا'' بھگوان نے اس پتی ورتا کے دھرم سے سارے نگر کو ومان بھیجے۔ وہ عورت، ساری پُری، سوامی سہت بہشت کو گئی۔

اے عورتوں اگر تم اپنا بھلا چاہتی ہو تو شوہر کی خدمت کرو۔ چاہے شوہر کیسا

ہی برا ہو پرتم دیوتا کی مانند جانو۔ دیکھو، رامائین میں تلسی داس نے کہا:

چوپائی

बुद्धि रोग सब जड. मति हीना, अंध बधिर क्रोधी अति दीना!

ऐसेहुँ पति कर कर्म अपमाना, नार पावे यमपुर दुख नाना !!

(شوہر چاہے پاگل ہو، کم عقل ہو، اندھا ہو، بہرہ ہو، غصہ ور ہو، غربت کا مارا ہو پھر بھی اگر کوئی بیوی شوہر کی بے عزتی کرتی ہے تو ایسی عورت دوزخی ہوگی۔)

سورٹھا:

सहज अपावन नार पति सेवत शुभ गति लहे !

यश गावत श्रुति चार अजहुँ तुलसी हरि है पिये !!

(عورت قدرتاً نجس ہوتی ہے، لیکن شوہر کی خدمت کر کے پاک ہو جاتی ہے شوہر کی اسی خدمت کی وجہ سے تلسی ہری (خدا) کو عزیز ہے اور آج بھی اس کی شہادت چاروں وید دیتے ہیں)

عورت ذات پاک و پاکیزہ کسی طرح سے نجات نہیں پا سکتی۔ بس، تمہاری نجات اس دھرم کے سوا اور کسی طرح نہیں ہوسکتی۔

بے شک خاوند کے بغیر دنیا میں گذارا کرنا بڑا مشکل ہے مگر ایسے خاوند سے جس کو اپنا دل پیار کرتا ہو، ایسے سے نہیں جو زبردستی خاوند بنادیا گیا ہے۔ ایسے خاوند سے اس دنیا میں ہی دوزخ ہے۔ یہ کچھ پرانے زمانے کا ہی حال نہیں ہے۔ آج کل بہت عورتیں اس سے زیادہ مصیبتیں اٹھاتی ہیں۔ صرف اسی دھرم کے باعث کئی جگہ سننے میں آیا اور دیکھا بھی گیا ہے خاوند جب اپنی دوست کو لے کر پلنگ پر آرام کرتا ہے، یہ برابر پنکھا جھلا کرتی ہے۔ پھر عورت سے برابر اس کے اور اپنے پاؤں دبواتے ہیں۔ اگر سب نہیں کوئی کرتا ہوگا۔ نہیں، اسی روشن زمانے میں ہزار میں آٹھ سو عورت ایسا ہی کرتی ہیں۔ ہم نے کبھی نہیں سنا کہ کسی کو جہاز آیا ہو۔ ہاں، بیشک آپ ہی زہر سے یا کسی ہتھیار سے

خودکشی کر، چلی جاتی ہیں۔ اگر کوئی کہے آج کل کی عورتیں سچے دل سے اس دھرم کو نہیں کرتیں تب پنڈت جی سے پوچھا جاتا ہے کہ جب آپ کی عورت اپنے یار کو گھر بلا کر تم سے خدمت کراوے تب آپ کو معلوم ہو کہ سچے دل سے کیونکر یہ دھرم ہوتا ہے۔

قصائی کے گھر گائیں جبھی تک رہتی ہیں جب تک مکان میں بند رہیں، جب مکان سے باہر ہو، فوراً بھاگ جاتی ہیں۔ جیل خانے میں قیدیوں سے ہر طرح کا کام لیا جاتا ہے مگر جب جیل خانے سے باہر ہوئے کسی کی طاقت نہیں جو کوئی ان سے کچھ کام کرا سکے۔ اس کے لکھنے کی کچھ ضرورت نہیں۔

اس کا ثبوت ان کے دلوں میں آجائے گا۔ جیسے حفظ کیا ہوا سبق کتاب بند کرنے سے بھی یاد آجاتا ہے۔ ویسے ہی پاٹھکوں (قارئین) کو اس کے دیکھنے سے تمام عورتوں کے دھرم جو وہ زبردستی اس پتی ورتا دھرم کے پیچھے سہارتی ہیں یاد آجائیں گے۔

اے لاعلاج بیماری کو مرنے کی خبر سنانے والے پنڈتو! ذرا انصاف کی نظر سے اپنے دل میں خیال کرو۔ ان واعظوں نے آپ کی کیا کیا بری حالت کر دی ہے۔ اور کتنے درجے کا عذاب تم میں پھیل گیا ہے، یہ صرف عورتوں کے لیے تکلیف دہ نہیں ہے نتیجاً یہ تمام ہندوستان میں پھیلا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ زنا کرنے کو لوگ گناہ نہیں مانتے بلکہ جو اس کام میں نہیں پڑتا اسے نامرد قرار دیتے ہیں۔

پھر جو کمیاں آدمی میں زانی ہونے سے آجاتی ہیں سب تم پر ظاہر ہیں۔ جو مرد زانی ہوتے ہیں ان کا من کتے کی مانند ہمیشہ میلے ہی میں لگا رہتا ہے! پھر یہ کمیاں ان میں جھٹ پٹ آجاتی ہیں، چوری، تشدد، شہوت، چغلی، بد اخلاقی، جھوٹ، غصہ حرص، غرور، دغا۔ جہاں ان میں سے ایک بھی ہو وہاں کبھی ثواب کا کام یا اچھا کام ہو ہی نہیں سکتا اور جہاں یہ دسوں ہوں وہاں گناہ کا کیا ٹھکانہ ہے! پھر جس آدمی میں وہ اور اس کی شاخیں سب ہیں علم تو اسے کبھی خواب میں بھی دکھائی نہیں دیتا اور جہالت ہی رہتی ہے اور آج ہندوستان کی جہالت چھپی نہیں ہے۔

پھر مرد زنا کرتے ہیں اور اپنی عورتوں کو مار پیٹ کر سب طرح کے دکھ دیتے ہیں۔ وہ بیچاری تنگ ہو کر یا تو دھرم کے پیچھے ادھرم کرتی ہیں یا اس دھرم کے ساتھ اپنے تئیں تمام کرتی ہیں۔ یہ تو وہی مثال ہوئی کہ اندھے کو راہ نہ بتانا الٹے کنوئیں میں دھکا دے دینا۔ عورتوں کے واسطے یہ دھرم ایسا ہے جیسا نیم جان کے مرنے کی خبر یا گرے کو لات مارنا، اور مردوں کی زنا میں ہمت بڑھانا، دلیر کرنا، اس کام میں پختہ کرنا۔ اے شری شرنگار لال ورتی شرما، شری کاک ورتی شرما، شری واک ورتی شرما، شری کورم ورتی شرما، شری وراہ ورتی شرما (مذہبی پیشوا) کیا یہ گناہ نہیں ہے؟ کیا سوائے بھیک مانگنے کے تمہارا اور کوئی دھرم کرم ہے؟ ایک بھولے ان پڑھ آدمی کو بہشت کا دھوکہ دے، جہنم میں دھکا دے دینا۔ میرے نزدیک جان سے مار دینا گناہ نہیں ہے جتنا کہ دھوکہ دے خراب راستے میں ڈال کے خراب کرنا۔

مرا ہوا آدمی اپنے فعل اپنے ساتھ لے جاتا ہے مگر زندہ آدمی خراب ہو دوسروں کو خراب راستے پہ لے جاتا ہے۔ بس، یہ زندہ رہ کے اوروں کی خرابی کا باعث بن جاتا ہے۔

اے برہمہ سے گرے ہوئے پنڈتو! وہ وقت اور تھا جب لوگ اس دھرم سے جہنم میں جاتے تھے، مگر آج کل اس دھرم سے لوگ بے دینی کر، رات دن گنہ گاروں کی ریل نرک کے دروازے پر کھڑی رہتی ہے۔

اے ہندوؤں کو نیک راستہ بتانے والو! اگر پرمیشور سے اپنا قصور معاف کرا، پھر ہندوستان کو نیک راہ پر لانا چاہتے ہو تو پہلے ان کتابوں کو آگ میں پھونک دو جن میں عورتوں کے واسطے اس دھرم کی ہدایت ہے اور مردوں کے واسطے کچھ نہیں۔

بس، اب زمانے کے واسطے نیا دھرم بناؤ جس میں عورت اپنے شوہر کے لیے امین رہے۔ مرد دوسری عورت کو خواب وخیال میں بھی نہ لاوے۔ اگر خیال کرے فوراً جنت سے نکالا جاوے۔

میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ مرد عورت کے ہی قابو میں ہو جائے۔ نہیں، جیسا

گناہ عورت کو دوسرے مرد کے پاس جانے سے ہوتا ہے ویسا ہی مرد کو بھی دوسری عورت کے پاس جانے سے سمجھاؤ۔

اے نیک غریب بھولی بھالی ہندنیو! اس خود مطلبیوں کے کہنے کو ہرگز نہ مانو۔ تم کو شوہر سے امانتداری کی نصیحتیں سناتے ہیں اور تمھارے خاوندوں کو شاستر اور نائکا بھید اور بہار عیش اور لذّت النسا کی پوتھیاں سنا کر کہتے ہیں۔اس دنیا میں جس نے دو ،چار، دس ،بیس لڑکیوں کے ساتھ نہیں کیا اس کا پیدا ہونا ہی بے کار ہے۔

بس، اب تم اس دھرم کو چھوڑ دو۔ایسی شوہر پرستش سے جنت نہیں ملے گی۔لیکن جہنم جو صرف ان پنڈتوں کے واسطے ہی بنایا گیا ہے تمہیں بھی وہاں جانا پڑے گا۔

یہ بڑے بڑے مہاتما کے اقوال ہیں، جو کسی کو بد کام میں مدد دیتا ہے یا اسے منع نہیں کرتا وہ اس کے گناہوں میں شامل ہو جاتا ہے۔

بس، تمہارے اس دھرم سے تمہارے پتی ادھرم کرتے ہیں۔جب وہ کسی غیر عورت کے پاس جاتے ہیں یا اسے گھر میں لے آتے ہیں تم اس وقت اس دھرم کے باعث بول ہی نہیں سکتیں کیونکہ خاوند کے برخلاف نہ بولنا ہی دھرم ہے۔بس، وہ اس کام میں دلیر ہو جاتے ہیں۔غرض، اس وقت تمہارا کچھ نہ کہنا آئندہ کے لیے انہیں ادھرمی بنا دیتا ہے۔جیوں جیوں تم اس دھرم میں پختہ ہوتی جاتی ہو تیوں تیوں وہ ادھرم میں زیادہ ہو جاتے ہیں۔پھر یقین نہیں ہو سکتا کہ تمہارے دل پر کچھ صدمہ نہ ہوتا ہو۔بس، اپنے ہی دل پر سہارتی ہو۔جب نہیں سہارا جاتا تب آپ ہی مر جاتی ہو۔گویا یہ دھرم، انکا ادھرم ،تمہاری جان لینے والا ہے۔تمہارا مطلب اس دھرم کے کرنے سے تھا کہ وے تم پر اعتبار رکھیں۔الٹا تمہیں جیل خانے میں ڈالی گئیں اور شک تم پر کیا گیا۔میں یہ نہیں کہتی کہ اس دھرم کو ہی چھوڑ دو بلکہ سچے دل سے اس دھرم کو کرو۔سچے دل سے دھرم تب ہو سکتا ہے جب تمھارے خاوند تمھارا خیال کریں۔وہ خیال تب کر سکتے ہیں جب زنا کاری سے باز آ جائیں۔

ان کو زنا کاری سے روکنے کی یہ اچھی تجویز ہے۔جب کسی عورت کے پاس

جائیں، تم کہو ہم بھی دوسرے مرد کے پاس جاویں گی۔ اگر کسی رنڈی، لونڈے کو گھر میں لائیں تو تم فوراً شادی توڑ دو۔ اور آدی وید میں لکھا ہے کہ، ''تیتنے کیتی رام جنی، میں نے کیتا رام جنا'' (جس طرح رام نے تمہیں پیدا کیا ہے، اسی طرح رام نے ہمیں بھی پیدا کیا ہے۔)

یعنی پھر جو جو صدمے تم کو ان کی زنا کاری سے گذرتے ہیں وہ پھر ان کے دل پر بیتیں گے اور امید ہے کہ شاید اس کام سے باز آ جائیں۔ اگر کہو، وہ ہمارے ایسا کرنے سے مارے پیٹیں گے۔ نہیں! ہم کو پرمیشور نے انصاف کی دیوی کے ہاتھ میں سونپا ہوا ہے ایسے راج میں ہم کو کسی طرح کا خوف نہ کرنا چاہیے۔

اس زمانے میں شیر بکری ایک گھاٹ پر پانی پیتے ہیں۔ بس، اب کسی کی طاقت نہیں جو کسی کے بدن پر کسی طرح کا ظلم کر سکے۔

اے پیاری بہنو! تم سچے دل سے، لوگوں کے خوف سے نہیں، اسی پہلے درجے کی شوہر پرستی جو اوپر لکھا گیا ہے اپنے من کو لگاؤ اور اپنی تمام ساری طاقتوں سے کوشش کرو جس سے تمھارے خاوند بھی اسی دھرم کے لائق ہو جائیں۔

✿ نور الاسلام

✿ جے آر ایف، دہلی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی (جاری)

✿ والدین: شکیلہ بیگم سید محمد مشتاق

✿ رابطہ: جوگیا شیخ پور، رام گڑھ، کوٹھاری، پھول پور،

الٰہ آباد، یو پی ۔۲۱۲۴۰۲

nikazmi.islam@gmail.com

+918285624155

"Writer Live Twice"
(10 Nov. 1946 — 9 March 2017)

میں ڈاکٹر دھرم ویر کو دل کی عمیق گہرائیوں سے
خراجِ عقیدت پیش کرتا ہوں۔

I pay homage to Dr. Dharamveer
a thinker, activist and writer.

Noor-ul-Islam

SEEMANTINI UPDESH

(Tanisi Adab Ki Ek Zarrin Dastavez)

Research & Edited by

Dr. Dharamveer

(Ex. IAS)

Translated by

Noor-ul-Islam

بلاشبہ سیمنتنی اُپدیش کو ہندوستان کے نسائی ادب کی پہلی تصنیف کی صف میں کھڑا کیا جاسکتا ہے۔آج کے دور کے حساب سے دیکھیں تواس کی اہمیت اس بات میں بھی ہے کہ ہندوستان کی سرزمین پر انیسویں صدی میں ہی عورتوں کے حق کی آواز اُٹھنے لگی تھی۔دراصل اپنے سسٹم کے خلاف،اپنے معاشرے کے خلاف یہ ایک عورت کی چیخ ہے،سلگتے جزبوں کا ایسا دستاویز ہے جس میں عورت کے بقا کی کہانی چھپی ہے۔

ڈاکٹر شائستہ فاخری

Seemantini Updesh (A tract for a married woman), is a rare 19th-century hindi work rooted in what we now recognise as feminist epistemology.

To read complete article visit :- scroll.in

Mirnal Pandey

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
New Delhi , INDIA